جلد ۵ نومبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۱۱

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **انصار اللہ** ربوہ

نومبر ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ⁂ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

پبلشر :- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۱۱

۱۵ نومبر ۱۹۶۴ء

روحانی حیات کی ایک بیّن علامت

ذکرِ الٰہی اور اس کی بنیادی اہمیت

دنیا میں زندگی کا مدار سانس پر ہے۔ اگر سانس چل رہا ہے تو آدمی زندہ ہے اور اگر سانس رُک گیا تو زندگی ختم۔ لیکن روحانی حیات اور روحانی ممات کا عالم ہی جُدا ہے۔ اس کا مدار سانس کی آمدو شُد پر نہیں ایک اور ہی چیز پر ہے اور وہ ہے ذکرِ الٰہی۔ انسان لاکھ سانس لے رہا ہو تندرست و توانا اور صحت و قوت میں یگانہ ہو اگر خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے تو روحانی لحاظ سے مُردہ ہی شمار ہوگا۔ برخلاف اس کے ایک ایسا شخص جو بظاہر ناتواں نظر آتا ہو لیکن زبان اس کی ذکرِ الٰہی سے تر اور دل خوفِ الٰہی سے معمور ہو تو یہ اس بات کی بیّن علامت ہوگی کہ وہ اپنی نحافت و ناتوانی کے باوجود روحانی طور پر زندہ ہے اور اس بات کا سزاوار ہے کہ مداومت کی شرط کے ساتھ حیاتِ ابدی کا وارث بنے۔ اسی لئے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ　　　جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اُس کی مثال زندہ

لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ　　　کی سی ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس کی مثال

(بخاری و مسلم)　　　ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک مُردہ ہوتا ہے۔

جب روحانی حیات کا مدار ہی ذکرِ الٰہی پر ہے تو ظاہر ہے کہ ایک مومن کا تو کوئی سانس بھی ذکرِ الٰہی سے خالی نہیں ہونا چاہیئے۔ کجا یہ کہ وہ لہو و لعب کی طرف راغب ہو یا ہمہ وقت دنیا کے جھمیلوں میں ہی پھنسا رہے۔ ذکرِ الٰہی کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ہی یہ مثل مشہور ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر۔ یہ مثل ایک عظیم الشان صداقت پر مبنی ہے۔ اگر انسان اس کی اہمیت کو سمجھ لے تو یہ امکان ہی نہیں رہتا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکرِ الٰہی سے غافل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ ٹھہرایا ہے۔ جب ہم آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں آپؐ کا ایک ایک لمحہ ذکرِ الٰہی سے معمور نظر آتا ہے۔ آپؐ کی کوئی حرکت اور کوئی سکون بھی تو ایسا نظر نہیں آتا جو دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے خالی ہو۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر وقت اور ہر حالت میں آپؐ ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کتبِ احادیث میں ایسی دعائیں بکثرت مذکور ہیں جو ہر ہر حرکت و سکون کے وقت آپؐ مانگا کرتے تھے۔ اِن دعاؤں پر یکجائی نظر ڈالنے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کوئی کام بھی خواہ وہ کتنا ہی خفیف سے خفیف کیوں نہ ہو آپؐ دعا اور ذکرِ الٰہی کے بغیر شروع نہ فرماتے تھے۔ صبح نیند سے بیدار ہونے سے لے کر رات کو سونے تک کے درمیانی عرصہ میں جملہ معمولاتِ زندگی کے لئے کتبِ احادیث میں دعائیں موجود ہیں۔ نیند سے جاگنے کی دعا، بیت الخلاء جانے کی دعا، بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا، صبح کے وقت مسجد میں جانے کی دعا، مسجد سے نکلنے کی دعا، گھر سے باہر جانے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، کھانا شروع کرنے کی دعا، کھانا کھانے کے بعد کی دعا، نیا کپڑا پہننے کی دعا، بازار میں داخل ہونے کی دعا، بازار سے لوٹنے کی دعا، سفر پر روانہ ہونے کی دعا، کسی بستی میں داخل ہونے کی دعا، بستی میں سے نکلنے کی دعا، بلندی پر چڑھنے کی دعا، بلندی سے اُترنے کی دعا، بیمار پُرسی کی دعا، میت پر پڑھنے کی دعا، قبروں پر پڑھنے کی دعا، نکاح کے مبارک ہونے کی دعا، بیوی کے ساتھ خلوت کے وقت کی دعا، بے قراری اور گھبراہٹ کی دعا، آئینہ دیکھنے کی دعا، نیا چاند نظر آنے کی دعا، روزہ کھولنے کی دعا، لیلۃ القدر کی دعا، بارش مانگنے کی دعا، زیادہ بارش روکنے کی دعا، بجلی کی کڑک پڑنے پر دعا، آندھی کے شر سے بچنے کی دعا، نیا پھل کھانے کی دعا،

کسی کو الوداع کرنے کی دعا، ناپسندیدہ امر دیکھنے پر دعا، قبولیت صدقات کے لئے دعا، تلافی نقصان کی دعا، غصہ اور طیش کے شر سے بچنے کی دعا، بامراد ہونے اور کامیابی کے سامان پیدا ہونے کی دعا، رضا بالقضاء کی دعا۔ قرضہ کی زیادتی سے پناہ کی دعا، گناہوں کی معافی اور بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنے کی دعا۔ الغرض وہ کونسی حرکت وسکون ہے جس کے لئے احادیث میں دعا موجود نہیں۔ دعاؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو کتب احادیث میں پھیلا ہوا ہے۔ جس کی مختلف کڑیاں ہمیں ملتی چلی جاتی ہیں، اور ہم حیران ہوئے بغیر نہیں رہتے کہ آپؐ نے اپنی بے انتہا معمور الاوقات زندگی کو ہمہ گیر مصروفیات کے باوجود کس طرح ذکر الٰہی سے معمور کر رکھا تھا۔ ذکر الٰہی کی یہ کثرت اور اس میں شغف و انہماک کی یہ کیفیت ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام آیت ۱۶۳) یعنی میری نمازیں اور میری قربانیاں اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا اور درجہ بدرجہ انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپؐ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس کثرت سے دعائیں مانگتے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے کہ گویا ذکر الٰہی ان کی روح کی غذا ہے اور وہ اس کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتے۔ عبادات، دعاؤں، اور ذکر الٰہی میں اُن کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ اُن کا دھیان ہر وقت خدا کی طرف ہوتا اور دل مسجد میں اٹکا رہتا۔ دو صحابی آپس میں باتیں کرتے جا رہے ہوتے اور راہ میں کوئی درخت آجاتا اور انہیں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اس کی اوٹ میں سے گزرنا پڑتا تو چند سیکنڈ کی اس عارضی جدائی کو بھی وہ آپس میں ایک دوسرے پر سلامتی بھیجنے کا ذریعہ بنا لیتے اور وہ اس طرح کہ جونہی درخت کی اوٹ سے نکل کر پھر ملتے تو سلسلۂ کلام دوبارہ جاری کرنے سے قبل السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہہ کر ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دعا مانگتے۔ انفرادی ذکر الٰہی میں گہرے شغف کے علاوہ وہ اجتماعی ذکر الٰہی کے بھی اتنے حریص واقع ہوئے تھے کہ اس کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ پنجگانہ باجماعت نمازوں میں خاص التزام کے ساتھ حاضر ہونا تو ان کا معمول تھا ہی اس میں کسی قسم کے تخلف کا تو سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد و موعظت اور اجتماعی ذکر الٰہی کے لئے انہیں جب بھی بلاتے تھے تو وہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال آیت ۲۵) کے قرآنی حکم کے ماتحت پروانوں کی طرح دیوانہ وار کھنچے چلے آتے تھے۔ پھر نہ صرف

یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بُلائی ہوئی مجالسِ ارشاد میں والہانہ شرکت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے بلکہ فارغ اوقات میں از خود بھی باہم مل کر ذکرِ الٰہی کی مجلسیں منعقد کر کے تسبیح و تحمید کرنے میں ایک خاص لذت محسوس کیا کرتے تھے۔ ذکرِ الٰہی کی ایسی ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا ذکر کتب احادیث میں آتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم باہم مل کر اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی راہ دکھائی اور ہم پر احسان کیا۔ یہ سُنکر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا:۔

اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُہْمَۃً لَّکُمْ وَلٰکِنْ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃَ۔ (صحیح مسلم)

سُنو! میں نے تم سے جھوٹ کی تہمت کے سبب حلف نہیں لیا۔ میرے پاس تو جبرئیل علیہ السلام ابھی آئے تھے انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی وجہ سے اپنے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عبادات اور ذکرِ الٰہی میں شغف اپنے اپنے رنگ میں اوجِ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور وہ زمین پر رہنے کے باوجود عالمِ بالا کی مخلوق نظر آتے تھے۔ وہ تھے تو انسان ہی لیکن فرشتہ صفت انسان۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (المجادلہ آیت ۲۳) کی سندِ قبولیت سے نوازا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس آخری زمانہ میں خدائی بشارتوں کے ماتحت احیاءِ اسلام کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث ہی اس لئے فرمایا تھا کہ للّٰہیت کا وہی دَور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کی برکت سے دنیا پر آیا تھا اِس آخری زمانہ میں آپؑ کے روحانی فرزند اور نائب کے ذریعہ ایک دفعہ پھر لوٹ آئے اور اِس شان سے لوٹ آئے کہ اسلام کی اصل تصویر اور اس کا حقیقی عملی نمونہ دنیا کے سامنے آجائے اور دنیا والے اُن لوگوں کی پیشانیوں میں جنہیں خدا اِس غرض کے لئے چُنے اثرِ سجود کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کے قائل ہو جائیں اور اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔

جس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے اُس وقت مسلمان جہاں اور بہت سی بُرائیوں اور بے عملیوں کا شکار ہونے کے باعث قعرِ مذلت میں گر چکے تھے وہاں ایک بہت بڑی بُرائی یہ بھی اُن میں گھر کر چکی تھی کہ وہ خدا تعالیٰ سے غافل ہو کر اس کے ذکر کو یکسر بھلا بیٹھے تھے ان میں سے وہ لوگ جو اس طرف کچھ میلان رکھتے بھی تھے انہیں خود ساختہ پیروں نے اپنے جنگل میں پھنسایا ہوا تھا اور اُنہیں مشرکانہ وظائف و اوراد اور نذر و نیاز کا پابند بنا کر اُس حقیقی ذکرِ الٰہی سے محروم کر چھوڑا تھا جس کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے پیش فرمایا تھا۔ اسی لئے ان کی عبادتیں بے برکت اور ان کے وظائف و اوراد کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا تھا۔

حقیقی عبادت اور ذکرِ الٰہی سے غفلت اور بے نصیبی کی اصل وجہ یہ تھی کہ دعا کی قبولیت پر سے ایمان اُٹھ گیا تھا۔ وہ مُنہ سے تو خدا کو قادرِ مطلق کہتے تھے لیکن دل سے اُسے قادرِ مطلق تسلیم نہیں کرتے تھے، وہ مُنہ سے تو خدا کو رحمٰن و رحیم کہتے تھے لیکن دل سے اُسے ایسی صفات کا حامل نہیں سمجھتے تھے، وہ قرآن مجید میں زبان سے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (بقرہ آیت ۱۸۷) اور اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن آیت ۶۱) تو پڑھتے تھے اور بار بار پڑھتے تھے لیکن اس بات پر ایمان نہیں رکھتے تھے کہ فی الواقعہ خدا دعائیں سُنتا اور اُنہیں قبول کرتا ہے، اسی طرح وہ تلاوتِ قرآن مجید کے وقت زبان سے اِس قرآنی حکم کو تو دہراتے تھے کہ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء آیت ۱۰۴) لیکن دل ان کے ذکر اللہ کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے۔ دراصل اُن کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی یا بٹھا دی گئی تھی کہ تقدیر کا لکھا اَن مٹ ہے، جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، اِس لئے دعا مانگنا بے فائدہ اور عبث ہے، ہم لاکھ روئیں چیخیں اور چلائیں اور لاکھ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (بقرہ آیت ۱۲۸) کا ورد کریں خدا کرے گا وہی جو اس نے ہماری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ دعا پر سے ایمان اُٹھ جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ذکرِ الٰہی کی طرف بھی رغبت باقی نہ رہی اور رفتہ رفتہ وہ خدا کی یاد سے بالکل ہی غافل ہو گئے۔ جب وہ خدا سے بے پرواہ ہو گئے تو نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر آیت ۲۰) کے مطابق خدا بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیئے تھا کہ وہ دن بدن قعرِ مذلت میں گرتے چلے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احیاءِ اسلام کے ضمن میں جہاں اور عظیم الشان

کارنامے سر انجام دیئے وہاں ایک عظیم الشان کارنامہ یہ سر انجام دیا کہ مسئلہ تقدیر کو واضح کر کے قرآن مجید کی رو سے دعا کی اہمیت اور اس کے فلسفہ کو اس قدر مہتم بالشان طریق پر واضح فرمایا اور خدائی تائید کے ماتحت قبولیتِ دعا کے تازہ بتازہ زندہ نشان دکھا کر اس کی ہمہ گیر تاثیرات کا ایسا مشاہدہ کرایا کہ یہ حقیقت دلوں میں میخ کی طرح گڑ گئی کہ دعا ایک زندہ حقیقت اور زبردست طاقت ہے جو عند اللہ قبول ہو کر ناممکن کو ممکن کر دکھا سکتی ہے۔ آپؑ نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا کہ ہر مشکل دعا سے آسان ہو سکتی ہے ——— یہ محض اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک ایسا دعویٰ تھا جس کے آپؑ نے ایک نہیں ہزاروں ثبوت مہیا کئے، عقلی و نقلی ہی نہیں بلکہ زندہ اور عملی ثبوت، حتیٰ کہ ایک وہ وقت بھی آیا اور کیا ہی خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے وہ وقت پایا کہ جب خدا نے بذریعہ الہام آپؑ کو ایک بشارت دی اور آپؑ نے افادۂ عام کے لئے بذریعہ اعلان وہ مژدۂ جانفزا سنایا تا سب خدا کی قدرتوں پر ایمان لا کر اپنے دامن ہائے مراد کو جس قدر بھی بھر سکیں بھر لیں۔ مژدۂ جانفزا یہ تھا ؎

چل رہی ہے نسیم رحمت کی ٭ جو دعا کیجئے قبول ہے آج

الغرض معرفت و بصیرت اور زندہ نشانوں کے پیہم مشاہدہ کی رُو سے دعاؤں کی قبولیت پر زندہ یقین پیدا ہونے کی دیر تھی کہ آپؑ کی اتباع میں آپؑ کے خوش نصیب اصحاب کے دن اور رات اور ان کا ایک ایک لمحہ دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں بسر ہونے لگا اور خود ان کے اپنے وجود دل میں قبولیتِ دعا کے نشانات اس کثرت سے ظاہر ہونے لگے کہ آپ کی اتباع اور فیضِ صحبت کی برکت سے ان کے اپنے وجود بھی خدا نما بن گئے۔ آپ نے قرآنی دعائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی مسنون دعائیں بکثرت کرنے کی اہمیت دلوں میں راسخ کرنے کے علاوہ ایک اور انقلاب انگیز نصیحت یہ فرمائی کہ ہر شخص ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ جو خیر و برکت کا بھرپور خزینہ ہیں خود اپنی زبان میں بھی اپنے مولیٰ کے حضور دعا کیا کرے تاکہ اپنے دلی جذبات اور تمنائیں پیش کر کے ذاتی رنگ میں اس کی رحمت کو جوش میں لائے اور اس طرح بھی اس کے فضل اور اس کی تائید و نصرت کا مورد بنے۔ پھر آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے عین مطابق چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حالت میں دعائیں اور ذکرِ الٰہی کرنے کی پُرزور تلقین فرمائی تاکہ کوئی لمحہ بھی ایسا نہ ہو جو دعا اور ذکر الٰہی سے خالی ہو۔ آپ نے بہت زیادہ تاکید کے رنگ میں فرمایا :-

"پھر میں کہتا ہوں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی دعا ہے جس پر مسلمانوں کو ناز اور فخر کرنا چاہیئے

دوسرے مذاہب کے آگے تو دعا کے لئے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں اور وہ دعا کی طرف توجہ ہی نہیں کرسکتے۔ مسلمانوں کو چاہیئے ان تمام پتھروں کو جو اُن کی دعا کے راستے میں پڑے ہوں اور جو اُن کی دعا کی روک بنے ہوئے ہوں دُور کر دیں۔ جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو رُک جاتا ہے اسی طرح دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دعا کی راہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور وہ کیا ہیں؟ وہ ان کی اپنی بدکاریاں اور بداعتقادیاں ہیں۔ لیکن تم لوگوں کو ان کی مثل نہ ہونا چاہیئے۔ اور تمہارا کوئی کاروبار دعا کے سوا نہ ہوا کرے۔ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے دعا کی عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو۔"

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۴ء)

پھر یہی نہیں کہ آپ نے ہر فرد جماعت کو اس کی انفرادی حیثیت میں دعا اور ذکر الٰہی کا عادی بنا دیا بلکہ اس ذکر الٰہی کو زیادہ موثر اور زیادہ بابرکت بنانے کے لئے انہیں اجتماعی ذکر الٰہی کی بھی ترغیب دلائی۔ چنانچہ آپ اپنے اصحاب کو بار بار مرکز میں آنے اور وہاں کچھ دن رہکر آپ کی صحبت سے فیض اُٹھانے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس سے آپ کی غرض یہی تھی کہ وہ آئیں، بکثرت آئیں، بار بار آئیں، اور سب کے ساتھ مل کر اجتماعی دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اجتماعی ذکر الٰہی کو وسعت دینے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے اذن اور اُس کے منشاء کے مطابق جلسہ سالانہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کو اپنے دنیوی کاموں کا حرج کر کے بھی سال بسال پورے تعہد کے ساتھ مرکز میں آنے اور اس الٰہی جلسہ میں شامل ہو کر نہایت وسیع پیمانے پر اجتماعی ذکر الٰہی کی عظیم الشان برکتوں سے مالا مال ہونے کی پُرزور تلقین فرمائی۔ دعاؤں اور ذکر الٰہی کے تعلق میں آپ کی بیش بہا نصائح، عملی اقدامات اور قبولیت دعا کے مہتم بالشان نشانات کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شغف جماعت احمدیہ کے افراد کا امتیازی نشان بن گیا۔ جماعت احمدیہ کا یہ امتیازی نشان نہ صرف آج کے دن تک قائم ہے بلکہ انشاء العزیز آئندہ بھی بتوفیق و تائید الٰہی قائم و دائم رہے گا۔ اسی میں ہماری تمام تر ترقیات کا راز مضمر ہے

یہی وہ روحانی حیات ہے یعنی دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شغف جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں مالا مال فرمایا ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پہلے ہم سانس لینے، کھانے پینے، چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے کے باوجود مُردہ کی طرح تھے آپ نے ہمیں دعاؤں اور ذکر الٰہی کے وصف سے متصف کر کے روحانی حیات سے ہمکنار کر دکھایا اور پھر اپنی قوت قدسی کی مدد سے اس قابل بنایا کہ ہم بفضل اللہ تعالیٰ حیات ابدی کے وارث بن سکیں اپنے

اس امتیازی نشان کو برقرار رکھنا اور نسلاً بعد نسلٍ برقرار رکھتے چلے جانا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ یہی وہ امتیازی نشان ہے جس کی وجہ سے ہم دلی یقین اور بصیرت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے، ہمارا رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) زندہ رسول ہے، ہماری کتاب یعنی فرقانِ حمید زندہ کتاب ہے اور ان سب کے طفیل ہم خود زندہ ہیں۔

پھر ہمیں یہ امر بھی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمارا سالانہ اجتماع یعنی اجتماع انصار اللہ مرکزیہ بھی اسی لئے منعقد ہوتا ہے کہ ہم جوق در جوق اپنے مرکز میں جمع ہو کر اجتماعی ذکرِ الٰہی کے اس انمول موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اس طرح دنیا کو اپنی روحانی حیات کا ثبوت دیں اور اپنے امتیازی نشان کو الیسا روشن تر اور راسخ سے راسخ تر کریں کہ نہ صرف ہماری زندگیوں میں یہ تابندہ و درخشندہ بنا رہے بلکہ نسلاً بعد نسلٍ اس کی تابندگی اور درخشندگی میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ اجتماع بے شک تین دن ہی جاری رہتا ہے اور ان تین دنوں میں ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ایک ایسی ناقابلِ بیان کیفیت میں سے گزر رہے ہوتے ہیں کہ گویا ہم ایک نئے آسمان کے نیچے نئی زمین پر زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ہم سال کے باقی ایام میں بھی روزمرہ کے معمولات کے دوران یعنی چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کی کثرت کو لازم پکڑ کر اجتماع کی برکات کے سلسلہ کو دراز سے دراز تر کر سکتے ہیں۔ یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ دست در کار اور دل با یار ہمارا شعار ہو، یہاں تک کہ زمین پر خدا کے دوسرے بندے اور آسمان پر اس کے مقدس فرشتے یہ گواہی دے اٹھیں کہ فی الحقیقت یہ وہی ہیں جن کی تعریف میں خدائے ذو العرش نے اپنے کلام پاک میں کہا ہے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران آیت ۱۹۲)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سالانہ اجتماع کی برکتوں کو اپنے اندر دائمی طور پر جاری رکھنے اور دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کے امتیازی نشان کو اپنے عمل کے ذریعہ روشن تر کرتے اور نسلاً بعد نسلٍ کرتے چلے جانے کی توفیق عطا فرمائے تا ہماری روحانی حیات کو دیکھ کر دنیا یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ فی الواقعہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے، اسلام کا رسولؐ زندہ رسول ہے اور اسلام کی کتاب زندہ کتاب ہے۔ ایسے زندہ خدا اور ایسے زندہ رسولؐ پر ایمان لائے بغیر اور ایسی زندہ کتاب پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی روحانی حیات سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اور حیاتِ ابدی کا وارث نہیں بن سکتا۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین یا ارحم الراحمین +

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ذکرِ الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے

خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے

نماز سنوار سنوار کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو!

ذیل میں امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ پُر معارف ملفوظات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں جن میں حضور نے ذکرِ الٰہی کی اہمیت پر روشنی ڈال کر احباب کو کثرت کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

(۱) "نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم اسلام لائی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمیں نماز معاف فرما دی جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں، مویشی وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہمیں فرصت ہوتی ہے۔ تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔ نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا، کبھی اس کی عظمت اور اس کے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا اور اس سے اپنی حاجات کا مانگنا۔ یہی نماز ہے کہ ایک سائل کی طرح کبھی اُس مسئول کی تعریف کرنا کہ تُو ایسا ہے تُو ایسا ہے، اُس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اُس کی رحمت کو جنبش دلانا اور پھر اُس سے مانگنا۔ پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے۔ انسان ہر وقت محتاج ہے کہ اُس سے اُس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اُس کے فضل کا اُسی سے خواستگار ہو کیونکہ اُسی کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ (مانگنا یہی ہے کہ) اے خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا

پر کاربند ہو کر تجھے راضی کر لیں۔ خدا تعالیٰ کی محبت اُسی کے خوف اور اُسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے۔

پس جو شخص نماز ہی سے فراغت حاصل کرنی چاہتا ہے اُس نے حیوانوں سے بڑھ کر کیا کیا؟ وہی کھانا پینا اور حیوانوں کی طرح سو رہنا۔ یہ تو دین ہرگز نہیں، یہ سیرتِ کفار ہے بلکہ جو دم غافل وہ دم کافر والی بات بالکل درست اور صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اذکروا نی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون۔ یعنی اے میرے بندو! تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے۔ پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔ یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیئے اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اُسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے۔" (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

(۲) "اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرو اور غفلت نہ کرو۔ جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سُست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آجاتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مُردہ نہ ہونے دو کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تاکہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اُس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اُس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔ اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سُننا پڑے گا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے کہ تم نے ایک مجذوم، کافر، دجّال وغیرہ کی بیعت کر لی۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ تم اُن کے لئے دعا کرو کہ خدا تعالیٰ اُن کو بھی ہدایت دے اور جیسے کہ تم کو امید ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے تم بھی اُن سے منہ پھیر لو۔ ہمارے

غالب آنے کے ہتھیار استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت، خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدّنظر رکھنا، اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوقِ الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو، بچو۔"

(الحکم ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

(۳) "نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے، استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اور اَوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے غم و ہمّ دُور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور اسی لئے فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اطمینان و سکینتِ قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگوں نے قسم قسم کے وِرد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور ایک نئی شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابلہ میں بنا دی ہوئی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے مگر مَیں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اِن وظائف اور اَوراد میں دنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اَوراد میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ مَیں نے مولوی صاحب سے سُنا ہے کہ بعض گدّی نشین شاکت مت والوں کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔ میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ نماز کو سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے اِس لئے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔"

(الحکم ۳۱ر مئی ۱۹۰۳ء)

(۴) "اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اُسے دل کی تسکین، آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرضِ زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نمازیں سنوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو کہ اسلام

کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب سے اسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوا ہوتا ہے۔

نماز میں کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ (ایک) عرض کرتا ہے، التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سنتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے اور گزارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نماز کا یہی حال ہے۔ خدا کے آگے سربسجود رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے۔ پھر آخر سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا اور اس کو جواب دیکر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کا کیا دین اور کیا ایمان ہے۔ وہ کس امید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں جو سوال پیش ہوا کہ کیا وجوہات ہیں جن سے اسلام کو زوال آیا اور پھر وہ کیا ذریعے ہیں جن سے اس کی ترقی کی راہ نکل سکتی ہے۔ اس کے مختلف قسم کے لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق جواب دیئے ہیں مگر سچا جواب یہی ہے کہ قرآن کو ترک کرنے سے تنزّل آیا اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہی اس کی حالت سنور جاویگی۔ موجودہ زمانہ میں جو ان کو اپنے خونی مہدی اور مسیح کی آمد کی امید اور شوق ہے کہ وہ آتے ہی ان کو سلطنت لے دیگا اور کفار تباہ ہوں گے، یہ ان کے خام خیال اور وسوسے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتداء میں دعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدمؑ کے زیر کیا تھا اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلّط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لئے کچھ آثار ہوتے ہیں اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بھلا اگر ان کے خیال کے موافق یہ زمانہ ان کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آکر ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہیئے تھا کہ ظاہری طاقت ان میں جمع ہونے لگتی، ہتھیار ان کے پاس زیادہ رہتے، فتوحات کا سلسلہ ان کے واسطے کھولا جاتا۔ مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے۔ ہتھیار ان کے ایجاد کردہ نہیں، ملک و دولت ہے تو اوروں کے ہاتھ ہے،

ہمت و مردانگی ہے تو اَوروں میں، یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج۔ دن بدن ذلّت اور ادبار اِن کے گرد ہے، جہاں دیکھو جس میدان میں سُنو انہیں کو شکست ہے ـــــ بھلا یہی آثار ہُوا کرتے ہیں اقبال کے؟ ہرگز نہیں۔ یہ بھُولے ہوئے ہیں۔ زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ابھی تو اِن کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بے دینی اور لا مذہبی کا رنگ ایسا ہے کہ قابلِ عذاب اور موردِ قہر ہیں۔ پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کی ترقی کی وہی سچّی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے مطابق بنا دیں اور دعا میں لگ جاویں۔ اِن کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے نہ اپنی کوششوں سے۔ اور دعا ہی سے اِن کی فتح ہے نہ قوتِ بازو سے۔ یہ اس لئے ہے کہ جس طرح ابتداء تھی انتہاء بھی اُسی طرح ہو۔ آدمِ اوّل کو فتح دعا ہی سے ہوئی تھی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا.... ....الخ اور آدمِ ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرنا ہے اسی طرح دعا ہی کے ذریعہ سے فتح ہوگی۔" (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

خاتمہ بالخیر چاہیئے!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہی بڑی بات ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو۔ کسی نے نوح علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ آپ تو قریب ایک ہزار سال کے دنیا میں رہ کے آئے ہیں بتلائیے کیا کچھ دیکھا۔ نوحؑ نے جواب دیا کہ یہ حال معلوم ہُوا ہے جیسے ایک دروازے سے آئے اور دوسرے سے چلے گئے۔ تو عمر کا کیا ہے لمبی ہوئی تو کیا تھوڑی ہوئی تو کیا خاتمہ بالخیر چاہیئے۔" (ملفوظات جلد چہارم صـ۱۷)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَفَرِّجْ كُرُوْبِيْ يَا كَرِيْمِيْ وَنَجِّنِيْ

(اے میرے کریم میرے دُکھ دُور کر اور مجھے نجات دے)

اِلٰهِيْ بِوَجْهِكَ أَدْرِكِ الْعَبْدَ رَحْمَةً　　تَعَالَ إِلَى عَبْدٍ ذَلِيْلٍ مُكَفَّرِ

الٰہی اپنی ذات کے طفیل اس بندے کو اپنی رحمت دامن میں لے　　اپنے ذلیل بندے کی طرف جو تکفیر کیا گیا آجا۔

وَمِنْ قَبْلِ هٰذَا كُنْتَ تَسْمَعُ دَعْوَتِيْ　　وَقَدْ كُنْتَ فِي الْمِضْمَارِ تُرْسِيْ وَمَازَرِيْ

اس سے پیشتر تو میری دعائیں سنتا تھا۔　　اور تو ہی میدانوں میں میری ڈھال اور پناہ رہا ہے۔

اِلٰهِيْ أَغِثْنِيْ يَا إِلٰهِيْ أَمِدَّنِيْ　　وَبَشِّرْ بِمَقْصُوْدِيْ حَنَانًا وَّخَبِّرِ

الٰہی! میری فریاد رسی کر الٰہی! میری مدد کر۔　　اور اپنی مہربانی سے مجھ کو مقصود کی بشارت دے اور آگاہ کر۔

أَنِرْنِيْ بِنُوْرِكَ يَا مَلَاذِيْ وَمَلْجَإِيْ　　نَعُوْذُ بِوَجْهِكَ مِنْ ظَلَامٍ مُدَعْثَرِ

اے میرے ملجا و ماویٰ مجھے اپنے نور سے منوّر کر!　　ہم سخت تاریکی سے تیری ذات کی پناہ مانگتے ہیں۔

وَكُنْ رَبِّ حَنَّانًا كَمَا كُنْتَ دَائِمًا　　وَإِنْ كُنْتُ قَدْ غَادَرْتُ عَهْدًا فَذَكِّرِ

اے خدا تو ایسا مہربان ہو جیسے تُو پہلے تھا۔　　اگر میں عہد سے بے وفائی کر چکا ہوں تو یاد دلا دے۔

وَإِنَّكَ مَوْلٰى رَاحِمٌ ذُوْكَرَامَةٍ　　فَبَعِّدْ عَنِ الْغِلْمَانِ يَوْمَ التَّشَوُّرِ

اے میرے مولیٰ تو ہی مہربان صاحب کرم ہے۔　　اپنے غلاموں سے خواری کے دن کو ٹال دے۔

وَفَرِّجْ كُرُوْبِيْ يَا كَرِيْمِيْ وَنَجِّنِيْ　　وَمَزِّقْ خَصِيْمِيْ يَا إِلٰهِيْ وَعَفِّرِ

اے میرے کریم میرے دُکھ دُور کر اور نجات دے۔　　اور پارہ پارہ کر میرے دشمنوں کو اور فنا کر دے۔

(سر الخلافہ)

فارسی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

رہ طلب کن بگریہ و زاری

(رو رو کر رستہ ڈھونڈ!)

رہ طلب کن بگریہ و زاری ۔۔۔ تا بجوشد ترحم باری
رو رو کر رستہ ڈھونڈ! ۔۔۔ تاکہ خدا کا رحم جوش میں آئے

یک شب از صدق نعرہ ہا بردار ۔۔۔ پیش آں عالم حقیقت کار
ایک رات صدق سے چیخیں مار۔ ۔۔۔ اُس واقفِ حال کے سامنے

از ادب نے براہِ استکبار ۔۔۔ زو مدد خواہ اندریں اسرار
تکبر سے نہیں بلکہ ادب کے ساتھ ۔۔۔ ان اسرار کے لئے اُس سے مدد مانگ

تر کن از اشکِ خویش بسترِ خویش ۔۔۔ باز لب را کشائے با دلِ ریش
اپنے آنسوؤں کے ساتھ اپنے بستر کو تر کر ۔۔۔ پھر زخمی دل کے ساتھ یوں عرض کر

ما خطا کار و کارِ ماست خطا ۔۔۔ شد تبہ کارِ ما ز عجلتِ ما
ہم خطا کار ہیں اور ہمارا کام بھی سراسر غلط ہے ۔۔۔ اور ہمارا سب کاروبار جلد بازی کی وجہ سے خراب ہو گیا

گر زِ تست اینکہ سوئے تو خواند ۔۔۔ ور ز تو بہتر کدام کس داند
اگر یہ شخص جو ہمیں تیری طرف بلاتا ہے ۔۔۔ تیری طرف سے ہے اور کون تجھ سے بہتر حقیقتِ حال کو جانتا ہے

گنہِ ما بہ بخش و چشم کشا! ۔۔۔ تا نمیریم از خلاف و اِبا
تو تو ہمارے گناہ بخش اور ہماری آنکھیں کھول ۔۔۔ تاکہ ہم مخالفت اور انکار کی حالت میں نہ مر جائیں۔

(نزول المسیح)

اجتماعوں کو بابرکت بنانے کا اسلامی طریق

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تفسیر کبیر میں سورۃ الشعراء کی آیت اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا (آیت ۲۲۸) کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی ذکر الٰہی کی اہمیت پر نہایت لطیف پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں اجتماعوں کو بابرکت بنانے کے اسلامی طریق کو بھی واضح فرمایا ہے۔ حضور فرماتے ہیں :-

"اس آیت میں بھی اور قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کو لازمی قرار دیا ہے...... لیکن یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے ہاں جن باتوں کو نیک عمل کہتے ہیں یا انگریزی میں جنہیں گُڈ ایکشنز (Good actions) کہتے ہیں قرآن کریم انہیں عمل صالح قرار نہیں دیتا۔ سارے قرآن میں شاذ و نادر کے طور پر شاید ہی کسی ایک مقام پر نیک عمل کے لئے خیر کا لفظ استعمال ہُوا ہو تو ہُوا ہو ورنہ قرآن کریم ہمیشہ عمل صالح کا لفظ استعمال کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک نیکی وہی ہے جو مطابق حالات ہو۔ اگر حالات کے مطابق کوئی عمل نہ ہو تو وہ عمل صالح نہیں کہلائے گا۔ مثلاً اگر لوگوں سے دریافت کیا جائے کہ نیک عمل کون سے ہیں تو وہ کہیں گے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد وغیرہ حالانکہ قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض نمازیں بُری ہوتی ہیں، اسی طرح روزے اور بعض صدقہ و خیرات انسان کو ثواب پہنچانے کی بجائے اسے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنا دیتے ہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ خالی نماز نیک عمل نہیں۔ اگر خالی نماز نیک عمل ہوتا تو وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ کیوں آتا اور کیوں اللہ تعالیٰ فرماتا کہ بعض نمازیں پڑھنے والے جو ریاء کیلئے پڑھتے ہیں، جو اس لئے پڑھتے ہیں کہ لوگ کہیں یہ بڑے بزرگ ہیں، یہ بڑے زاہد اور عابد ہیں، اُن پر ہماری لعنت ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض روزے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا انسان کو مورد بنا دیتے ہیں۔ مثلاً انسان عید کے دن روزہ رکھے تو وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے شیطان بن جائے گا۔ یا حج ہے۔ اگر انسان ایسی حالت میں کرے جب اس میں حج کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں، یا زکوٰۃ ایسی حالت میں دے جبکہ زکوٰۃ اُس پر فرض نہ ہو تو یہ اعمال صالح نہیں کہلا سکتے۔ عمل صالح وہی عمل ہے جو مطابق حالات اور موقع

کے مناسب ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا ذکر کیا ہے لوگ غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نماز نجات دلائے گی یا روزہ نجات دلائے گا یا حج نجات دلائے گا یا زکوٰۃ نجات دلائے گی۔ حالانکہ نماز وہ نجات دلا سکتی ہے جو نماز پڑھنے کے موقع پر پڑھی جائے۔ اگر کسی وقت کفار سے جہاد ہو رہا ہو، لڑائی لڑی جا رہی ہو، مسلمان مارے جا رہے ہوں، کفار بڑھتے چلے آ رہے ہوں اور کوئی شخص مصلّیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگ جائے تو ہم کہیں گے اُس کی نماز کوئی نماز نہیں۔ اُس وقت جہاد کا کام کرنے کا وقت تھا مصلّے پر بیٹھ کر تسبیح پھیرنے کا وقت نہیں تھا۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص نماز کے وقت نماز نہ پڑھے اور کہے کہ مَیں جہاد کے لئے چلا ہوں تو ہم کہیں گے کہ وہ نماز سے بچنے کا بہانہ تلاش کر رہا ہے۔ غرض اپنی ذات میں نہ نماز نجات دلا سکتی ہے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ جہاد بلکہ جو نیک کام بھی موقع اور محل کے مطابق ہو وہی انسان کے کام آتا ہے۔

مومنوں کی دوسری خصوصیت اِس آیت میں بتائی گئی ہے کہ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وہ اللہ تعالےٰ کا بڑی کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو صرف اُس وقت ذکر کی طرف توجہ قائم رکھ سکتی ہیں جب وہ اکیلے ذکر میں مشغول ہوں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو دوسروں کو ذکر کرتا دیکھیں تب ان میں ذکر کرنے کا جوش پیدا ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انفرادی اور جماعتی دونوں قسم کے ذکر نمازوں میں جمع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ظہر اور عصر کی نمازیں اس طرح پڑھی جاتی ہیں کہ ہر شخص اپنا اپنا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ امام اپنے طور پر خاموشی سے ذکر کر رہا ہوتا ہے اور مقتدی خاموشی سے اپنے طور پر ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن مغرب، عشاء اور فجر کے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ طریق مقرر کر دیا کہ جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۂ فاتحہ پڑھو۔ مگر جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ غرض نماز میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا طریق رکھا ہے کہ بعض جگہ لوگوں کو کلیتہً امام کے تابع کر دیا ہے، امام کہتا ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ تو مقتدی بھی کہتا ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ، امام رکوع میں جاتا ہے تو مقتدی بھی رکوع میں چلا جاتا ہے، امام سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی بھی سجدہ میں جھک جاتا ہے۔ لیکن جو خاموشی کا حصّہ ہوتا ہے اُس میں ہر شخص آزاد ہوتا ہے، مقتدی کوئی دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور امام کوئی دعا مانگ رہا ہوتا ہے۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں طبائع کا علاج کر دیا، ان کا بھی جو دوسروں کو ذکر میں مشغول دیکھ کر ذکر کرنے کی عادی ہوتی ہیں اور ان کا بھی جنہیں اُس وقت عبادت میں لذّت آتی ہے جب وہ علیحدہ ہوں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں مجلس میں دعا کرتے وقت رقّت آتی ہی نہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جونہی وہ کسی کی چیخ سُنتے ہیں ان کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ پہلے

انہیں جوش نہیں آتا لیکن دوسرے کی گریہ و زاری دیکھ کر انہیں بھی رونا آجاتا ہے۔
لیکن کامل مومن وہ ہوتا ہے کہ جب وہ علیحدہ بیٹھتا ہے تب بھی خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جب مجلس میں بیٹھتا ہے تب بھی اس کا ذکر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے انفرادی ذکر پر بھی بڑا زور دیا ہے اور اجتماعوں کے مواقع پر بھی ذکرِ الٰہی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمان حج کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکرِ الٰہی ہوتا ہے، عیدین کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکرِ الٰہی ہوتا ہے شادی اور بیاہ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکرِ الٰہی ہوتا ہے، جنازہ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکرِ الٰہی ہوتا ہے۔ گویا ہر قسم کے اجتماعوں کو بابرکت بنانے کا نسخہ اسلام نے یہی بتایا ہے کہ ذکرِ الٰہی پر زور دیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں انفرادی ذکر کی اہمیت بھی اسلام نے بار بار بتائی ہے۔ یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت، کھانے سے فارغ ہوتے وقت، سوتے وقت، جاگتے وقت، سفر پر جاتے وقت، سفر سے آتے وقت، غم کے وقت، خوشی کے وقت، مسجد میں آتے وقت اور مسجد سے جاتے وقت، بلندی پر چڑھتے وقت اور بلندی سے اترتے وقت، اسی طرح آئینہ دیکھتے وقت، کپڑے بدلتے وقت، نیا چاند دیکھتے وقت، یہاں تک کہ بیوی کے پاس جاتے وقت بھی دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کی تاکید کی ہے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرو ورنہ تمہارا کام بے برکت ہو جائے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس (۳۳) دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس (۳۴) دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لیا کرو۔ مگر اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ مومن کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ صرف تینتیس یا چونتیس دفعہ تسبیح و تحمید کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بات بات پر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے رہتے ہیں۔ درحقیقت اگر غور سے کام لیا جائے تو یہ دونوں باتیں ہی ضروری تھیں کیونکہ عشق میں انسان کی دونوں حالتیں ہوتی ہیں۔ عشق میں ایک حالت تو وہ ہوتی ہے جب انسان اور کاموں سے فارغ ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور عشق کی دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواہ اور کاموں میں مشغول رہے اس کا دل اپنے محبوب کی طرف ہی رہتا ہے۔ پس عشق دونوں باتوں کا تقاضہ کرتا ہے۔ عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے لئے اور کاموں سے فارغ ہو جائے اور عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا ہر وقت ذکر کرتا رہے۔ پس چونکہ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اس لئے اسلام نے بعض جگہ تسبیح و تحمید کی ایک معیّن مقدار بھی مقرر کر دی اور پھر

یہ بھی کہہ دیا کہ مومن صرف اِس تعداد پر انحصار نہیں رکھتے بلکہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر وقت ان کی زبانیں ذکر الٰہی سے تر رہتی ہیں۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں مل کر ایک مومن کے عشق کو مکمل کرتی ہیں۔ اگر اسے یہی خیال آتا رہے کہ مَیں فلاں وقت میں ذکر کروں گا آگے پیچھے نہیں کروں گا تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اپنے اوقات کو کلّی طور پر خدا تعالیٰ کی یاد میں صرف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ مقررہ وقت آئے تو وہ ذکر کرے۔ حالانکہ مومن وہی ہے جو ہر حالت میں خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بزرگ کا یہ مقولہ سُنایا کرتے تھے کہ "دست در کار و دل بایار"۔ یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مشغول ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ مَیں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں تو انہوں نے کہا کہ "محبوب کا نام لینا اور پھر گن گن کر"۔ تو اصل ذکر وہی ہے جو اَن گنت ہو۔ مگر ایک معیّن وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اُس وقت اپنے محبوب کے لئے اَور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معیّن رنگ میں بھی ذکر الٰہی کیا جائے اور غیر معیّن طور پر بھی اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۴۹۵ تا صفحہ ۴۹۹)

نہایت ضروری امر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"یہ ضروری اور بہت ضروری ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے پورے تذلّل اور انکسار کے ساتھ ہر وقت دعا مانگتا رہے کہ وہ اسے سچی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھے۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۶۲)

تقویٰ کی باریک راہیں

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم سے)

ایک مسلمان کے لئے پہلا یا ابتدائی راستہ خدا تعالیٰ سے ملنے کا جو شریعت نے تجویز کیا ہے وہ تقویٰ ہے یعنی خدا کے خوف کی وجہ سے گناہوں سے بچتے رہنا۔ اس سے اگلا اور اعلیٰ راستہ محسن بننے کا ہے۔ یعنی وہ طریقہ جس میں خدا کی محبت اور عشق کی وجہ سے مومن نیکیوں میں ترقی کرتا ہے۔

یہ تقویٰ کا لفظ ہماری جماعت کے بچہ بچہ کی زبان سے سنا جاتا ہے کیونکہ یہ جماعت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے اور بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ واقعی یہ جنس گرانقدر دنیا میں آج کل اور کسی جگہ دستیاب نہیں ہوسکتی۔ مگر باوجود اس لفظ کے کثرتِ استعمال اور کثرتِ تذکیر کے پھر بھی جو حق اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا تھا وہ ادا نہیں ہوا۔ اور تقویٰ کی باریک راہوں کا تو کیا ذکر اس کی شاہراہ یا موٹی موٹی راہوں سے بھی بعض لوگ ناواقف نظر آتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ اجمال تو موجود ہے مگر تفصیل کا علم نصیب نہیں ہوا۔ کیوں نصیب نہیں ہوا؟ اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام کی صحبت زیادہ نہیں ملی اور ان مقدس لوگوں کے طریق عمل کو غور سے نہیں دیکھا گیا اور احمدیت کے لئے صرف بیعت کے ایک خط یا قدرے لٹریچر کے مطالعہ کو مکتفی سمجھ لیا گیا یا زیادہ سے زیادہ جلسہ اور کانفرنس پر حاضر ہونا بالکل کافی خیال کر لیا گیا۔ برخلاف اس کے جس کسی کو یہ سعادتِ صحبت حاصل ہو گئی اس پر تو پھر خود بخود معرفت کے دروازے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں اور تقویٰ کی موٹی راہوں کو طے کرنے کے بعد باریک راہوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو براہ راست اپنی تربیت میں لے لیتا ہے اور ایک رَو معرفت اور علم لدنّی کی ہر ضروری امر کے متعلق ان کے دل و دماغ میں آسمان کی طرف سے جاری ہو جاتی ہے۔ اور جو امر خلافِ تقویٰ ہوتا ہے اس سے انہیں روک دیا جاتا ہے اور جو موافقِ تقویٰ ہوتا ہے اس کی تحریص یا اجازت مل جاتی ہے۔ اس وقت بندہ کی حالت اس دنیا سے اتنی ارفع اور بلند ہو جاتی ہے کہ دنیا کی عقلوں میں جو اعمال یا خیالات معمولی اور بے ضرر ہوتے ہیں وہ ان میں خطرہ اور ہلاکت دیکھتا ہے۔ اس کی دو کی جگہ چار آنکھیں ہو جاتی ہیں اور ایسی نمائشی نیکی سے وہ اسی طرح بچتا ہے جس طرح عام لوگ گناہ سے پرہیز کرتے ہیں اور اس

وقت وہ شخص اس بابرکت وجود کی ظلّیت میں داخل ہوجاتا ہے جس نے دعویٰ کیا تھا کہ ؎

من تربیت پذیرز ربّ مہیمن ام

مگر اس حالت یا اس سے بڑھ کر کیفیات سے پہلے بھی ایک مبتدی متقی انسان کی خود اپنی بصیرت بہت روشن ہونی شروع ہوجاتی ہے اور اس کا فہم خدا کی رضامندی کی راہوں میں بہت تیز ہوجاتا ہے اور جو باتیں عُرفاً بے عیب اور مخلوقات میں علی الاعلان دائر و سائر نظر آتی ہیں وہ ان سے بچنے لگتا ہے صرف اس لئے کہ اُس کے اندر مصنوعی تقویٰ نہیں بلکہ حقیقی تقویٰ کی وہ روح موجود ہوتی ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ یعنی اگر تم بکوشش تقویٰ کو اختیار کرلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری تعلیم کو براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیگا اور پھر تم گمراہ نہیں ہوسکو گے سو وہ حالت اس کو میسّر آجاتی ہے۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو تفصیلی عقلی دلائل اور براہین کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کے بھی معلوم ہوجائیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوجاتا ہے کہ متقی کو امرِ جائز اور امرِ ناجائز میں تمیز کرنے کی حِس ہوجاتی ہے اور وہ ایک اچھے کام کو ایک بُرے کام سے اسی طرح الگ کردیتا ہے جس طرح ایک جوہری سچے موتیوں کو جھوٹے موتیوں سے۔ اور ایسا انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کو بظاہر عمدہ اعمال کے اندر اسی طرح سونگھ لیتا ہے جس طرح ہم مُردار کی بدبُو کو۔

اب میں اصلی مطلب کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ کہ مثالوں سے تقویٰ کی بعض باریک باتوں کا ذکر کروں جن سے شائقین کو کچھ علم اس راہ کا ہو۔ حقیقۃً یہ باتیں بہت باریک نہیں مگر مبتدیوں کے سمجھنے کے لئے میں ان کو باریک ہی کہوں گا۔ کیونکہ موٹے گناہ تو عموماً قتل، چوری، زنا اور جھوٹ ہی سمجھے جاتے ہیں حالانکہ اُوپر چل کر خود انہی گناہوں کی اتنی قسمیں اور اتنی شاخیں ہوجاتی ہیں کہ عام آدمی ان کو تمیز نہیں کرسکتا کہ یہ کوئی گناہ بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ باریک در باریک قسمیں انہی باتوں کی دنیا میں اس قدر رائج ہوگئی ہیں کہ سوسائٹی میں ان کو معیوب بات خیال ہی نہیں کیا جاتا بلکہ وہی شخص عقلمند، زیرک اور دُور اندیش مشہور ہوجاتا ہے جو ایسے باریک گناہ دل کھول کر کرتا ہے اور ایسے ایسے طریقے ایجاد کرتا رہتا ہے کہ وہ ان پر زیادہ سے زیادہ کامیابی سے عمل کرسکے۔ قرآن مجید نے گناہوں کی ان باریک قسموں کی طرف کنایۃً ایک اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ یعنی نہ صرف ظاہری فحشاء سے بچو بلکہ ان بے حیائیوں سے بھی بچتے رہو جو باریک اور مخفی اور دل کے اندر کے خانوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ نہ صرف انسان کے آلاتِ تناسل ہی زنا کرتے ہیں بلکہ اس کی آنکھ بھی زنا کرتی ہے، اس کے کان بھی زنا کرتے ہیں، اس کے پَیر

بھی زنا کرتے ہیں، اس کا دل بھی زنا کرتا ہے۔ غرض اس حدیث میں ایک مشہور اور موٹے گناہ کی شاخوں اور باریک راستوں کو بھی واضح کر کے بتایا گیا ہے۔

اسی طرح اور گناہوں کا حال ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی کے ہاں نقب لگا کر اس کا زیور نکال لینا چوری کہلاتا ہے اسی طرح ایک احمدی طالب علم کے نزدیک امتحان کے پرچہ میں نقل کر لینا بھی چوری ہے۔ اور جس طرح رسہ گلے میں ڈال کر پھانسی سے مرجانا خودکشی ہے اسی طرح ایک احمدی متقی بیمار کے نزدیک غذا کی ایسی بدپرہیزی کر لینا جس سے بیماری کے بڑھ جانے کا یقینی خطرہ ہے ایک قسم کی خودکشی ہے۔ اور جس طرح کسی انسان کا قتل کر دینا دنیاداروں کے نزدیک ایک خوفناک جُرم ہے اسی طرح ایک احمدی خاوند کے نزدیک بے ضرورتِ شرعی برتھ کنٹرول پر عمل کرنا بھی اسی ضمن میں ایک گناہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر زنا کرنا ایک موٹے فہم کے مسلمان کے نزدیک الٰہی نافرمانی ہے تو ایک احمدی نوجوان کے نزدیک علاوہ حلال اور جائز طریقہ کے کسی اور طرح سے اپنی شہوات کو پورا کرنا بھی زنا کے حکم میں داخل ہے۔

پس تقویٰ کی باریک راہوں پر عمل کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے خوف کی وجہ سے چھوڑ دینا جو زیادہ باریک ہیں اور سرسری اور موٹی نظر والوں یا اہلِ ظاہر کو نظر نہیں آتے اور جن کی بابت دنیاوی عقل تو جواز کا فتویٰ دے سکتی ہے مگر متقی کا ضمیر ان کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ یاد رہے کہ یہ باتیں عام لوگوں کو صرف اتنا بتا دینے سے سمجھ میں نہیں آجاتیں کہ تم قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو اور جھوٹ نہ بولو بلکہ اُس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب کچھ باریک تفاصیل بھی ان کو سمجھائی جائیں۔ کیونکہ جس قدر علم انسان کے دماغ میں امثلہ اور تفاصیل سے داخل ہوتا ہے اتنا کبھی مجمل بیانات سے داخل نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہی بات کو کئی کئی پیرایوں میں اور نئے نئے سیاق و سباق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی مختلف شاخوں کو مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں چند نمونے متقیانہ افعال و اعمال کے بیان کرتا ہوں اور مزید تفاصیل خود ناظرین کے اپنے غور و فکر کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔

پہلی مثال

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ایک دفعہ کشمیر تشریف لے گئے۔ ریچھ مارنے کا لائسنس لیا ہوا تھا۔ دورانِ سفر میں ایک ایسی جگہ فروکش ہوئے جہاں احمدیوں کی آبادی تھی۔ وہاں

حضور شکار کے لئے ایک پہاڑی جنگل میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے ہانکا شروع کیا۔ ایک مشک والا ہرن ہانکے سے نکلا اور بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ رائفل حضور کے کندھے کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور نالی شکار کی طرف۔ ہمراہی بے قرار تھے کہ ایسا عجیب نایاب شکار سامنے کھڑا ہوا ہے کیوں نہیں فائر کیا جاتا۔ حضور نے ایک دم رائفل نیچے کر لی۔ وہ ہرن بھاگ گیا۔ فرمایا کہ اس کا خاص لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے اس پر فائر کرنا جائز نہ تھا۔ گھر واپس ہوتے پر بعض لوگ جو ساتھ تھے کہنے لگے کیسا عمدہ شکار سامنے آیا تھا ہم تو کبھی ایسے عمدہ شکار کو نہیں چھوڑا کرتے اگر ایسی احتیاطیں کرنے لگیں تو بس شکار ہو چکا۔۔۔۔ مگر ان بے چاروں کو معلوم نہ تھا کہ اگر ایسی احتیاطیں نہ کی جائیں تو بس تقویٰ ہو چکا۔

دوسری مثال

میرے ایک بزرگ ہیں اُن کے پاس رفتہ رفتہ ۹۰ کے قریب کھوٹے روپے جمع ہو گئے۔ جن میں کچھ تو ایسے کھوٹے تھے جن کا ایک حصّہ چاندی کی وجہ سے قابلِ فروخت تھا اور کچھ ایسے تھے جو محض مصنوعی اور ناکارہ تھے۔ انہوں نے ناکارہ تو سب تالاب میں پھینک دیئے اور جو دوسرے تھے وہ بکنے بھیج دیئے اور لے جانے والے سے کہہ دیا کہ انہیں کسی سُنار کے ہاتھ فروخت کر کے انہیں اپنے سامنے اُسی سے کٹوا دینا تاکہ پھر بطور سکّہ کے نہ چلائے جا سکیں۔ سُنار نے یہ بات مان کر اُن کو خرید لیا اور مقررہ قیمت ادا کر دی۔ لیکن جب اُن کے ملازم نے کاٹنے کا مطالبہ کیا تو سُنار لڑنے لگا کہ جب مَیں نے مول لے لئے ہیں تو اَب تمہارا کیا کام ہے۔ مَیں ان کو ثابت ہی بیچ لوں گا۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ آخر واپس لے لئے گئے۔ اِس پر سُنار نے کہا کہ اچھا مَیں اِس شرط پر کاٹوں گا کہ ان کی قیمت اتنی کم کر دو۔ یہ بات انہوں نے فوراً مان لی اور بہت تھوڑی رقم معاوضہ میں لے لی مگر ایک ایک روپیہ کٹوا کر چھوڑا۔ حالانکہ عام لوگ اوّل تو کھوٹا روپیہ خود ہی کوشش کر کے چلا دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی ہوشیار آدمی کی معرفت اُس کو بازار میں چلوا دیتے ہیں یا دلّالوں کے ہاتھ کچھ کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں کہ آگے وہ اُسے چلالیں۔ اور بعض ظالم تو جیب میں یا دکان میں ہر وقت ایسے کھوٹے روپے تیار رکھتے ہیں جب کوئی سادہ طبع دیہاتی سودا خریدتے آجاتا ہے تو اُس کا اچھا روپیہ لے کر چالاکی سے فوراً اپنا خراب روپیہ اُسے دیکر کہتے ہیں کہ بھائی صاحب یہ آپ کا روپیہ ٹھیک نہیں اسے بدل دیجئے۔ غرض یہ فرق ہے متقی اور غیر متقی میں۔ ایک اُن میں سے نعوذ باللہ خدا کو اندھا سمجھتا ہے اور دوسرا اُسے بینا یقین کرتا ہے۔ پس کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ خدا کو اندھا سمجھنے والا اُس کی ذات سے کوئی روحانی فیضان حاصل کر سکتا ہے۔

تیسری مثال

ایک شخص کو ڈاک میں ایک خط ملا۔ اتفاقاً اس کے ٹکٹ پر مُہر لگانا یا تو ڈاکخانہ والا ہی بھول گیا یا لگائی تو کوئی نقش مُہر کا نمودار نہ ہوا۔ غرض ٹکٹ بالکل کورا رہا۔ اُس شخص کے لڑکے نے وہ ٹکٹ اُتار کر اُس سے کہا کہ اباجان دیکھئے یہ ٹکٹ پھر استعمال ہو سکتا ہے۔ اُس نے لڑکے سے ٹکٹ لیکر پھاڑ کر پھینک دیا کہ اب ہمارے لئے اِس ٹکٹ کا دوبارہ استعمال ناجائز ہے۔ کوئی غیر متقی ہوتا تو اُس ٹکٹ کا استعمال نہ صرف جائز سمجھتا بلکہ اپنی ایسی ہوشیاری کو فخریہ بیان کرتا۔

چوتھی مثال

متقی اور غیر متقی دونوں بازاروں میں اور عام گزرگاہوں اور مجمعوں میں عورتوں کی طرف سے اپنی نظر نیچی رکھتے ہیں۔ مگر جب کسی تنہا جگہ کوئی عورت مُنہ کھولے ہوئے گزرے جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو غیر متقی خدا کی حرمت سے غضِ بصر کرکے اُس عورت کی طرف ارادی نظر ڈال لیتا ہے مگر متقی ہر ایسے موقع پر زیادہ قوت کے ساتھ غضِ بصر پر عمل کرتا ہے کیونکہ اس کو وہ عورت اکیلی سامنے نظر نہیں آتی بلکہ اُس عورت کے پیچھے ایک اَور وجود بھی ساتھ آتا ہوا نظر آتا ہے جسے خدائے علیم و بصیر کہتے ہیں۔

پانچویں مثال

ایک احمدی دوست تھرڈ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ان کے ایک ملنے والے ریل میں مل گئے جو سیکنڈ کلاس میں تھے۔ انہوں نے اُن کو بُلا لیا اور ایک دو سٹیشن تک وہ ان کے ساتھ ہی سیکنڈ کلاس میں سوار چلے گئے پھر اپنے ڈبہ میں آ گئے۔ سفر ختم ہوا اور وہ صاحب ٹکٹ دے کر باہر چلے گئے۔ گھر آ کر اور حساب کرکے انہوں نے وہ رقم جو اُن دو سٹیشنوں کے درمیان سیکنڈ اور تھرڈ کے کرایہ کا فرق تھا ایجنٹ این۔ ڈبلیو۔ آر کے نام بھیجدی اور لکھ دیا کہ ایک ضرورت کی وجہ سے مَیں نے اپنے سفر میں دو سٹیشن تک سیکنڈ کلاس میں سفر کر لیا تھا یہ اس کا کرایہ ارسال ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ تھرڈ کلاس کے مسافر کا ۱۵ سیر سے زیادہ وزن ارادۃً بغیر تلوائے اور کرایہ ادا کئے ریل میں لے جانا اور بغیر اجازت سٹیشن ماسٹر کے یا پلیٹ فارم ٹکٹ خریدنے کے سوا اندر پہنچ جانا اور ہوشیاری کے ساتھ سٹیشن کی دوسری طرف سے باہر نکل جانا ایسے افعال ہیں جن سے ایک متقی شرماتا ہے۔

چھٹی مثال

ایک ماسٹر صاحب تھے، وہ باوجود اس سرکاری حکم کے کہ ٹیوشن بغیر اجازت ہیڈ ماسٹر کے نہ لی جایا کرے خود خفیہ خفیہ ایسی ٹیوشن لے لیا کرتے تھے۔ ایک شاعر جو کسی اور شاعر کا شعر اپنی غزل میں اپنا کر ملا لیتے تھے، یا ایک مصنف صاحب جو دوسروں کی تصنیف کو اپنے مضمون میں بلا تسلیم کرنے مصنف کے نام کے شامل کر لیا کرتے تھے، ایک بارسوخ طالب علم جو کسی امتحان کے پرچہ کا ناجائز طور پر چند روز پہلے پتہ لگا لیا کرتے تھے، ایک وکیل صاحب جو پورا محنتانہ لے کر بھی پیشی کے وقت غیر حاضر ہو جایا کرتے تھے، ایک ڈاکٹر صاحب جو خصوصاً نوجوان عورتوں کو طبی مشورہ کے وقت سینہ میں لگا کر اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھنا لازمی سمجھتے تھے، ایک صاحب جو بغیر جائز حق کے دوسروں کا مضمون پڑھ لیا کرتے تھے، ایک مُلّا جی جو لوگوں کے سامنے مسجد میں تو بہت سنوار سنوار کر نماز پڑھتے تھے مگر اکیلے میں وہ بات ان سے صادر نہ ہوتی تھی، ایک پیشہ ور (مثلاً درزی، سُنار، لوہار) جو وعدہ کر کے پھر اس وعدہ پر اپنا کام پورا کر کے نہیں دیتے تھے، ایک ملازم جو اپنی تنخواہ کے وقت تو پوری رقم کا مطالبہ کیا کرتے تھے مگر خود کام کرنے کے وقت باریک محاسبہ نہیں رکھتے تھے کہ آیا میں معاہدہ کے مطابق چل رہا ہوں یا کچھ غفلت کر رہا ہوں وغیرہ وغیرہ ـــ ایسے سب لوگ دُنیا داروں کی نظروں میں خواہ بڑے ہوشیار کہلائیں مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ متقی ہونے کا امتیازی طرہ نہیں پا سکتے۔ متقی وہی ہیں جو ایسے کام نہیں کرتے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔

ساتویں مثال

ایک شخص جو شہوانی خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور نامحرموں کے حُسن و شمائل میں اپنے دل کو مشغول کرتا ہے یا اپنے بکس میں حسین عورتوں کی تصاویر کو نخرانہ آرٹ کہہ کر مقفل کر کے رکھتا ہے یا ہمسایہ کے گراموفون میں کسی عورت کے گانے کی آواز کو مزے لے لے کر سُنتا ہے یا مرد اور حسین لڑکوں سے بلا ضرورت صاحب سلامت اس لئے رکھتا ہے کہ اُن کا قُرب اُسے کچھ لطف دیتا ہے، یہ اور ایسی ہزاروں باتیں تقویٰ کی جڑ کو کاٹ ڈالنے والی ہیں گو وہ آجکل کی تہذیب کا ایک جُزوِ اعظم بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایک ایسا شخص جو جسمانی صفائی سے لاپرواہ ہے، اس کے جسم سے بدبو آتی ہے اور اس کے کپڑے گندے رہتے ہیں، ناپاک چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا، اپنے دانت صاف

نہیں رکھتا جس کی وجہ سے اُس کے مُنہ سے بدبُو آتی ہے، کچا لہسن یا پیاز یا مُولی یا ہینگ کھا کر مسجد میں آجاتا ہے اور نمازیوں کو ایذا دیتا ہے کوئی قابلِ تعریف متقی نہیں۔

آٹھویں مثال

وہ شخص جو اپنے جسم کو خدا کی امانت نہیں سمجھتا اور اپنی صحت اور قویٰ کو خدمتِ دین کے لئے درست رکھنے کی طرف سے لاپرواہی کرتا ہے، عادی بدپرہیز ہے، جائز اور حلال لذتوں میں منہمک رہتا ہے، وقت جیسے قیمتی متاع کو ضائع کرتا ہے، بہت ہنستا ہے، غربت۔ بیماری یا زمانہ کی شکایت کرتا رہتا ہے، یا اکثر رنجیدہ رہتا ہے، اور جماعت پر عموماً بدظن رہتا ہے، نہایت خشک مزاج ہے۔ معمولی تکالیف پر بے صبری ظاہر کرتا ہے، اور تھوڑی نعمت کو حقیر سمجھ کر اس کا شکر ادا نہیں کرتا وہ ابھی تقویٰ کی باریک راہوں سے دُور ہے چہ جائیکہ باریک تر اور باریک ترین راہوں کا واقف سمجھا جائے۔

نویں مثال

ایک شخص جو کسی بُری بات کو اِس لئے چھوڑتا ہے کہ لوگ اِس بات کو بُرا سمجھتے ہیں وہ اِس بات میں متقی نہیں ہے۔ بلکہ متقی وہ ہے جو ترکِ معاصی صرف خدا تعالیٰ کے خوف سے کرے یعنی اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے، وہ علیم بذات الصدور ہے، وہ سب سے زیادہ محبت اور عزت کے قابل ہے، اُس نے اِس بات کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اگر مَیں یہ کام کروں گا تو اس ذات والا صفات سے میرا تعلق کم ہو جائے گا۔ اِس یقین کی وجہ سے کسی گناہ کی بات سے پرہیز کرنے والا اصل متقی ہے۔ بدی کو بدی سمجھ کر ترک کرنا یا نیکی کو نیکی کی وجہ سے اختیار کرنا یہ دہریوں اور یورپین فلاسفروں کا کلیہ ہے جسے ایک مسلمان فلاسفر کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتا۔ مسلمان اگر بدی سے بچتا ہے تو صرف خدا کے خوف کی وجہ سے اور نیکی کرتا ہے تو صرف خدا کی محبت کے سبب سے نہ کہ دہریوں کی طرح اپنے دنیاوی فائدہ کے لئے یا اپنے نفس کو لطف اور لذت دینے کے لئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے کھانے پینے کی اشیاء کی طرح نیکی کے اندر بھی ایک بڑی لذت رکھی ہے۔

دسویں مثال

ایک لیکچرار لیکچر دے رہا ہے، اس نے اپنا مضمون خوب تیار کیا اور خوب اچھی طرح پُورا

سُنا دیا مگر خاتمہ پر حاضرین سے اس نے یہ کہا کہ "صاحبان وقت تنگ ہوگیا ہے میری طبیعت اچھی نہیں اس لئے میں اس مضمون کو پورا تیار نہیں کر سکا اور اب بھی اس کا بہت سا حصہ باقی ہے (حالانکہ اس کے ذہن میں قطعاً کوئی حصہ باقی نہیں ہے اور اس نے تیاری بھی پوری کر لی تھی) مجبوراً اپنا لیکچر ختم کرتا ہوں اور آپ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں۔" یہ فقرہ ایک باریک بین متقی کبھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ تو ان الفاظ کو غلط اور ناجائز جان کر ان سے اجتناب کرے گا۔

گیارھویں مثال

چونکہ بعض گناہ صرف دل سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اپنے دل میں کسی کی نسبت مخفی حقارت، بدظنی، عداوت، یا نفرت رکھنا۔ جسمانی نقائص، ذات اور قوم کے سبب سے یا علم و عقل اور مال و دولت کی کمی کی وجہ سے کسی کو ادنیٰ اور ذلیل سمجھنا۔ کسی کا قصور معاف کرنے کے بعد بھی اس سے کدورت رکھنا بدخواہی، چغلی یا عیب چینی کرنا۔ گاہے بگاہے ریاکاری کا مظاہرہ لوگوں کے سامنے کرتے رہنا۔ تمسخر یا دلآزاری یا طعن کی صورت میں کسی سے بظاہر اچھا کلام کرنا۔ ایسی مجلسوں میں دلچسپی محسوس کرنا جہاں خدا اور رسولؐ کے ارشادات کے مخالف باتیں یا دین پر مخفی استہزاء ہوتا ہو۔ علم کو اپنی نفسانی بڑائی کا ذریعہ بنانا۔ دین کی آڑ لے کر ایسی حرکات کرنا جو مومن کے وقار کے شایاں نہ ہوں مثلاً نماز کے سامنے سے گزرنے والے کو بجائے ہاتھ کے اشارے سے روک دینے کے دو قدم آگے بڑھ کر اس زور اور اس جوش سے چھاتی میں مکا مارنا کہ اُسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ نفس کے تمام سفلی جذبات اور کج اخلاقیوں پر نظر نہ رکھنا اور جس بات میں ذرا بھی شبہ ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اس کے ترک کرنے میں غفلت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں باریک بین متقیوں کی شان سے بعید ہیں۔

محسنِ حقیقی کو پسند آنے والی ادائیں

ممکن ہے کہ بعض لوگ ان سطور کو پڑھ کر ہنس دیں کہ یہ تو معمولی اور عامیانہ باتیں ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی وہ ادائیں ہیں جن کو محسنِ اصلی پسند فرماتا ہے اور یہی وہ تقویٰ کی آن ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے انعام اُس قدردان حقیقی کی درگاہ سے عطا ہوتے ہیں اور یہی وہ کیفیت ہے جس کا نتیجہ کبھی بھی نقصان کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ایسا انسان دین اور دنیا دونوں میں ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے کیونکہ تقویٰ کا نتیجہ نہ صرف آخرت میں مغفرت اور جنت ہے بلکہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ

نے متقی کو علم و معرفت، مصائب سے نجات اور غیبی رزق کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ اس نے خود ہی کہا ہے کہ مَن یتق اللّٰہ یجعل لہٗ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ دیکھو میں ذرا سے باریک تقویٰ پر ایک عظیم الشان اجر ملنے کا نظارہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ بعض لوگوں کے اصرار پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے کسی اختلافی مسئلہ میں مباحثہ کا ارادہ کیا۔ لیکن بحث سے پہلے جب ان کے متعلقہ عقائد تفصیل سے سُنے تو فرمایا کہ مولوی صاحب کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابل اعتراض ہو اور خالصۃً للّٰہ اس بحث کو ترک کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُسی رات خداوند کریم نے اپنے الہام میں اس ترکِ بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

خلاصۂ کلام :-

خلاصۂ کلام یہ کہ ناظرین کے لئے یہ صرف چند نمونے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ارادہ اور ہر عمل کے وقت تقویٰ اور غیر تقویٰ کی بحث آپڑتی ہے اور انسان کو اپنے ہر حرکت اور سکون پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ تب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی زندگی پر ایک تغیّر آجاتا ہے اور وہ ایک نئی زندگی اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور اس کا پرانا وجود مر کر ایک نیا وجود اس کی جگہ قائم ہو جاتا ہے اور یہی تقویٰ کا مقصد ہے۔

آخر میں میں ایک یہ بات بیان کرنی ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو ہمیں بظاہر نیک اور متقی نظر آتے ہیں، اُن کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم تو ٹھگوں کی ہے جو حقیقتاً بد ہیں اور نیکی دکھا کر لوگوں کو دھوکا دینا اور ٹھگنا اُن کا پیشہ ہے۔

دوسری قسم اُن کی ہے جو دُنیا کو خوش رکھنے کے لئے معروف قسم کی نیکیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ خدا کے نیک نہیں بلکہ دنیا کے نیک ہیں۔

تیسری قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جو واقعی دین کے لئے آئے اور نیک اور صالح ارادے رکھتے تھے مگر پھر روپیہ دیکھا، دنیا کے زرق برق سامانوں اور جاہ و تنعم کے مزے چکھے اور آخر کار پھسل گئے۔

چوتھے اور قابلِ ستائش اور قابلِ تقلید وہ سعید لوگ ہیں جو خدا کے لئے نیک بنے پھر انہوں نے خدا سے ہی مدد مانگی اور خدا تعالیٰ نے بھی محض اپنے فضل سے ان کی دستگیری کی اور اُن کو نہ چھوڑا جب تک کہ وہ اس دنیا سے گزر نہیں گئے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی دوستی کو لازم پکڑنا چاہیئے اور ایسا بننے کے لئے جتنی فرصت بھی ملے حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام کی صحبت اور قرب میں آکر رہنا چاہیئے تاکہ زندہ خدا کے زندہ نشانات سے کچھ حصہ ملے، ایمان مضبوط ہو، تاریکیوں کے پردے پھٹ جائیں، تقویٰ کی باریک راہیں سوجھنے لگیں اور انسان کا خاتمہ اُس کے مالک کی مرضی کے مطابق ہو۔ آمین +

تقویٰ کے معنے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"تقویٰ کے معنے ہیں بدی کی باریک راہوں سے پرہیز کرنا مگر یاد رکھو نیکی اتنی نہیں ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں نیک ہوں اس لئے کہ میں نے کسی کا مال نہیں لیا، نقب زنی نہیں کی، چوری نہیں کرتا، بدنظری اور زنا نہیں کرتا۔ ایسی نیکی عارف کے نزدیک ہنسی کے قابل ہے کیونکہ اگر وہ ان بدیوں کا ارتکاب کرے اور چوری یا ڈاکہ زنی کرے تو وہ سزا پائے گا۔ پس یہ کوئی نیکی نہیں کہ جو عارف کی نگاہ میں قابلِ قدر ہو۔ بلکہ اصلی اور حقیقی نیکی یہ ہے کہ نوعِ انسان کی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری دکھلائے اور اس کی راہ میں جان تک دے دینے کو تیار ہو۔ اسی لئے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو بدی سے پرہیز کرتے ہیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کرتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد ششم صہ ۴۲۱، صہ ۴۲۲)

"آسمان سے بہت دُودھ اُترا ہے محفوظ رکھو"

الہام حضرت مسیح موعودؑ

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے قبل اسلام اس دنیا سے اُٹھ چکا تھا، لوگ خدا کو بھول چکے تھے اور دنیا قرآن کی حقیقت سے ناواقف ہو چکی تھی۔ مسلمان محض نام کے مسلمان تھے ورنہ اُن میں مذہب سے وہ لگاؤ، اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا وہ جذبہ وشوق اور دین کی خدمت کے لئے وہ جوش جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا مفقود تھا۔ چنانچہ مولانا حالی نے مسدس حالی میں اُس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اور ملتِ اسلامیہ کو ایک باغ سے تشبیہہ دے کر مایوسی کے عالم میں فرمایا ؎

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سُو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے رُوکھ جس کے جلانے کے قابل
یہ آواز پیہم وہاں آ رہی ہے
کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہے

اُس زمانہ میں مسلمان خدا کے نام لیوا تو تھے مگر وہ حی و قیوم خدا کو بُت مُردہ سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایسا خدا جو نہ بول سکے اور نہ سُن سکے، جو نہ کچھ کر سکے اور نہ کسی کو کچھ دے سکے۔ اُس زمانہ میں مسلمان حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ ارفع اور حضورؐ کی حقیقی عظمت و شوکت سے ناواقف تھے، اس طرح کہ آپؐ کی صداقت خود ان میں سے بہت سوں پر مشتبہ ہو رہی تھی اور وہ بکثرت حلقہ بگوش عیسائیت ہو رہے تھے۔ کجا وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں فلاحِ دارین یقین کرتے تھے اور کجا یہ زمانہ کہ مسلمان کہلانے والے قرآن مجید کو ناقابلِ عمل یقین کرنے لگے۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپؑ نے اسلام کو پھر سے دنیا میں قائم کر دیا اور ایک بار پھر زندہ خدا پر زندہ یقین پیدا کر دیا، اسلام کی حقانیت ثابت کر دی، دنیا کو حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت اور حضور کے مقام ارفع سے روشناس کرا دیا اور قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب ثابت کر دیا اس طرح کہ قیامت تک کی مسلمانوں کی ہر قسم کی مشکلات کا حل اس میں موجود ہے۔ آپ نے خدا سے نور پایا اور اس کی روشنی میں دیکھا۔ آپ نے آسمانی معارف ملفوظات میں بیان فرمائے اور روحانی حقائق اپنی تصنیفات میں جمع فرما دیئے۔ اس طرح یہ آسمانی دودھ کے انمول خزانے ہم تک پہنچے جن سے روحانی مُردے زندہ ہوتے ہیں حضور علیہ السلام ان خزائن کے متعلق فرماتے ہیں:۔

أ۔ "جو مجھے دیا گیا وہ محبّت کے ملک کی بادشاہت اور معارفِ الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔" (ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۵۶۸)

ب۔ "مجھ کو خدا نے بہت سے معارف اور حقائق بخشے اور اس قدر میری کلام کو معرفت کے پاک اسرار سے بھر دیا کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی طرف سے پورا تائید یافتہ نہ ہو اُس کو یہ نعمت نہیں دی جاسکتی۔" (انجامِ آتھم طبع دوم صفحہ ۴۹)

ج۔ "ایسا ہی یہ عاجز بھی ۔ ۔ ۔ ۔ خالی نہیں آیا بلکہ مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے بہت سا آبِ حیات خدا تعالیٰ نے اِس عاجز کو بھی دیا۔ بے شک جو شخص اس میں سے پیئے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے کلام سے مُردے زندہ نہ ہوں اور اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہوں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔" (ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۱۸۲)

د۔ "اعطانی علوماً ومعارف تجب لاصلاح هذه الامّة ووهب لی من لدنه علماً حبّاً لاتمام الحجة علی الکفرة الفجرة واعطانی ثمراً غضاً طریاً لتغذیة جیاع الملة وکاساً دهاقاً لعطش الهدایة والمعرفة۔" (انجام آتھم صفحہ ...)

"اس نے مجھے علوم اور معارف دیئے ہیں جن کی اِس امت کو ضرورت تھی اور اس نے مجھے کافروں فاجروں پر اتمام حجت کے لئے زندہ علم دیا ہے اور تازہ بتازہ پھل ملّت کے بھوکوں کے لئے دیئے ہیں اور بھرے ہوئے پیالے ہدایت اور معرفت کے پیاسوں کے لئے عنایت کئے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس ارشادِ الٰہی کی تعمیل میں کہ:۔

"آسمان سے بہت دودھ اُترا ہے محفوظ رکھو۔" (تذکرہ صفحہ ۱۰۶)

اِس آسمانی دودھ کے زندگی بخش جام محفوظ رکھنے اور اِن روحانی خزائن کی قدر پہچاننے اور ان سے مالامال ہونے کی ہمیشہ توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین +

ایک عظیم الشان آسمانی تحریک ــــ وقفِ جدید

پس منظر، اغراض و مقاصد اور خوشکن نتائج

(مکرم سید منیر احمد صاحب باہری - ربوہ)

(قسط دوم)

وقفِ جدید کے اغراض و مقاصد

امامِ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بہت سے فدائیوں نے اپنے تئیں وقف کے لئے پیش کر دیا تب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الفضل اعلان فرمایا کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر اس وقف کی تفصیلات بیان ہونے کے بعد درخواستیں بھجوائیں۔ چنانچہ ستائیس دسمبر ۱۹۵۷ء کو احباب سے خطاب فرماتے ہوئے حضور نے وقفِ جدید کی تفصیلات بیان فرمائیں اور پھر تین جنوری ۱۹۵۸ء کو خطبہ جمعہ میں وقفِ جدید کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"مَیں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں بیان کیا تھا اور پھر جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنی ۲۷ دسمبر کی تقریر میں بیان کیا تھا کہ جماعت کے وہ دوست جنہیں سلسلہ کی تبلیغ سے لگاؤ ہو یا تعلیم و تدریس کا شوق رکھتے ہوں وہ جماعت کی ترقی کے لئے اپنے آپ کو نئے وقف کے ماتحت پیش کریں۔

..... پس مَیں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے۔ اور چاروں طرف رشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا یہاں تک کہ پنجاب کا کوئی گوشہ اور کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں رشد و اصلاح کی کوئی شاخ نہ ہو اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ایک ضلع میں مقرر ہو گیا اور وہ دورہ کرتا ہوا ہر ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر

جھونپڑی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس نئی سکیم پر عمل کیا جائے اور تمام پنجاب بلکہ کراچی سے لیکر پشاور تک ہر جگہ ایسے آدمی مقرر کر دئے جائیں جو اس علاقہ کے لوگوں کے اندر رہیں اور ایسے مفید کام کریں کہ لوگ ان سے متأثر ہوں۔ وہ انہیں پڑھائیں بھی اور رشد و اصلاح کا کام بھی کریں اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے۔ کُنڈی ڈالنے سے صرف ایک ہی مچھلی آتی ہے لیکن اگر مہاجال ڈالا جائے تو دریا کی ساری مچھلیاں اس میں آجاتی ہیں ہم ابھی تک کُنڈیاں ڈالتے رہے ہیں ان کی وجہ سے ایک ایک مچھلی ہی ہمارے ہاتھ میں آتی رہی ہے لیکن اب مہاجال ڈالنے کی ضرورت ہے اور اس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے گی۔۔۔۔۔۔
پس مَیں جماعت کو توجّہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد اس وقف کی طرف توجّہ کرے اور اپنے آپکو ثواب کا مستحق بنائے۔ یہ مُفت کا ثواب ہے جو تمہیں مل رہا ہے اگر تم اسے نہیں لوگے تو تمہاری بجائے دوسروں کو دے دیا جائے گا۔" (الفضل $\frac{1}{58}$ 11)

نیز فرمایا:۔

"یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں۔ کپڑے بیچنے پڑیں مَیں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا۔ اگر جماعت کا ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے خدا تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کر دیگا جو میرا ساتھ نہیں دے رہے اور میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے اتار دیگا۔ پس مَیں اتمامِ حُجّت کے لئے ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں تاکہ مالی امداد کی طرف بھی لوگوں کو توجّہ ہو۔" (الفضل $\frac{1}{58}$ 7)

پھر حضور نے اپنے پیغام مطبوعہ الفضل ۱۵۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں ارشاد فرمایا:۔

"جو وعدے وقفِ جدید کی امداد کے لئے آرہے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ شاید چھ روپے سالانہ چندہ انتہائی حد ہے مگر یہ بات غلط ہے اتنی بڑی سکیم کو چلانے کے لئے لاکھوں روپے کی ضرورت ہوگی۔۔۔۔ دوستوں کی اطلاع کے لئے مَیں یہ شائع کرتا ہوں کہ جس کی توفیق بارہ روپے سالانہ کی ہو وہ بارہ روپے سالانہ دے سکتا ہے۔ دوستوں کو ہدایت دینے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ میرا چندہ چھ سَو شائع ہو چکا ہے اور چھ سَو چھ سے سَو گنے زیادہ ہے۔ پس جن کو توفیق تھی وہ بارہ روپے لکھوا سکتے تھے پچیس روپے لکھوا سکتے تھے پچّاس روپے لکھوا سکتے تھے۔ میرا

ارادہ ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے توفیق دے تو بجائے چھ سو کے چھ ہزار یا اس سے بھی زیادہ دوں۔"

نیز فرمایا:۔

"میں نے جو شکل وقف کی جماعت کے سامنے پیش کی ہے اور جس کے ماتحت میرا ارادہ ہے کہ پشاور سے کراچی تک اصلاح و ارشاد کا جال بچھا دیا جائے اس کے لئے ابھی بہت سے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لئے کم ازکم چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے۔ اگر چھ لاکھ روپیہ سالانہ آنے لگ جائے تو پھر پچاس ہزار روپیہ ماہوار بنتا ہے اور اگر ہم ایک واقفِ زندگی کا ماہوار خرچ پچاس روپیہ رکھیں تو ایک ہزار مراکز قائم کئے جا سکتے ہیں۔۔۔۔ جب روپیہ زیادہ آنا شروع ہو گیا اور نوجوان بھی زیادہ تعداد میں آگئے اور انہوں نے ہمت کے ساتھ جماعت کو بڑھانے کی کوشش کی تو جماعت کو پتہ لگ جائے گا کہ یہ سکیم کیسی مبارک اور پھیلنے والی ہے۔ اس سکیم میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے جہاں اپنے خاندان کی طرف سے چندہ لکھوایا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کراچی کے پاس ٹھٹھہ میں میری زمین ہے اس میں سے میں اس سکیم کے ماتحت دس ایکڑ زمین وقف کرتا ہوں۔ دس ایکڑ میں خود انشاء اللہ تعالیٰ ضلع تھرپارکر یا حیدرآباد کے ضلع میں وقف کرونگا اور ابھی تو بہت سے احمدی زمیندار ہیں جو اس غرض کے لئے زمین وقف کر سکتے ہیں۔ پھر ایک ایک دو دو ایکڑ دے کر کئی آدمی مل کر بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔" (الفضل ۱۶ $\frac{1}{58}$)

وقفِ جدید کی اہمیت کا ایک اور پہلو

وقفِ جدید کی اہمیت کے ایک اور پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"جس درخت کا تنا مضبوط ہوتا ہے اس کی شاخیں بھی وسیع ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مثل کلمۃ طیّبۃ کشجرۃ طیّبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السّماء یعنی کلمہ طیّبہ کی مثال ایک ایسے درخت کی سی ہے جس کا تنا مضبوط ہو اور اسکی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں۔ پس آپ لوگ پہلے پاکستان و ہندوستان کو احمدی بنائیں اور جب یہ لوگ احمدی ہو گئے تو خود بخود چندے بھی دیں گے اور غیر ملکوں میں بھی اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے آدمی بھجوانا شروع کر دیں گے۔ اور فرعھا فی السّماء کے مطابق آپ لوگ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے اور آپ کی دعائیں کثرت سے قبول ہونے لگیں گی۔۔۔۔ اسی غرض کے لئے میں نے جماعت میں تحریکِ جدید کے علاوہ وقفِ جدید کی تحریک بھی جاری کی ہوئی ہے تاکہ سارے پاکستان

ہیں ایسے معلّمین کا جال بچھ جائے جو لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں اور انہیں اسلام اور احمدیت کی تعلیم سے روشناس کرائیں مگر یہ کام صحیح طور پر تبھی ہو سکتا ہے جب کم از کم ایک ہزار معلّم ہوں اور ان کے لئے اخراجات کا اندازہ بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ بارہ لاکھ روپیہ کی رقم مہیّا کرنا جماعت کے لئے کوئی مشکل امر نہیں۔"

(الفضل ۲/۱۷-۶۰)

ہمارے پیارے امام نے پاکستان میں احمدیت کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے اور اسکی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور پاکستانی جماعت کی مرکزی حیثیت کو صورتِ دوام بخشنے کے لئے نہایت ہی مناسب وقت پر وقفِ جدید کی اہم تحریک جاری فرما کر احبابِ جماعت کے لئے ایک موقع پیدا کر دیا کہ وہ معمولی سی توجہ اور تھوڑی سی محنت کیسا تھ ایک بھاری دینی خدمت سے سبکدوش ہو سکیں اور جہالت و بیماری کے خلاف ایک کامیاب مہم چلا کر اپنے ملک اور ہموطنوں کی گرانقدر خدمت کا اجر پاسکیں۔ وقفِ جدید میں شرکت تین طرح ہو سکتی ہے (بعض ایسے بھی خدا کے خوش بخت بندے ہیں جنہیں تینوں طرح شریک ہونیکی سعادت نصیب ہوئی ہے)۔

اوّل:۔ ایسے احباب جو تبلیغ و تعلیم کا شوق رکھتے ہوں اور خدمت و رفاہِ خلق کا جذبہ انہیں فطرتی ورثہ میں ملا ہو وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دیوانہ وار آگے آئیں اور وقف کے لئے اپنے آپ کو پیش کر کے اپنی استعدادوں کو اُجاگر کریں اور اپنے پاکیزہ شوق کی تسکین کا سامان کریں۔

دوم:۔ ایسے دوست جو اپنے حالات کی مجبوری کے سبب اپنی زندگی وقف نہیں کر سکتے اور بفضلہ تعالیٰ صاحبِ استطاعت ہیں وہ وقفِ جدید کے مراکز کے لئے زمین وقف کریں جو موجودہ حالات کے مطابق ساڑھے بارہ ایکڑ ہونی چاہئیے۔ اس طرح وہ رزقِ خداوندی میں سے اس کی رضا جوئی کا ایک مستقل نشان قائم کر دیں گے جو قیامت تک آنیوالی نسلوں کو دین کے لئے قربانی اور فدائیت کی ترغیب دلاتا رہے گا۔

سوم:۔ ایسے بھائی جو کسی وجہ سے ان دو شقوں میں حصّہ نہیں لے سکتے مایوس نہ ہوں ان کے لئے وقفِ جدید کا ایک تیسرا پہلو ہے جو نسبتاً بہت آسان ہے یعنی وہ شجرہ احمدیہ کی آبیاری کی اس نہایت ہی اہم سکیم کو چلانے کیلئے مقدور بھر مالی قربانی کر کے مجاہدین میں شامل ہو جائیں۔ گو چندہ کی کم از کم شرح چھ روپیہ سالانہ ہے لیکن جنہیں استطاعت اور توفیق ہو وہ سینکڑوں اور ہزاروں دیں اور اپنے حلقۂ اثر میں اسے اس قدر رائج کریں کہ بہت جلد ہم حضور کی خواہش کے مطابق بارہ لاکھ چندہ کر سکیں اور ایک ہزار معلّم رکھ سکیں۔ اس بات کی تلقین کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

"پس ہمّت سے آگے بڑھو زیادہ سے زیادہ چندے لکھواؤ۔ اور جو لوگ آنریری سیکرٹری کے طور پر کام کر سکتے ہوں وہ اپنے آپ کو آنریری سیکرٹری بنا لیں اور شہر میں یا باہر جہاں کہیں جائیں وہاں احمدیوں سے مل کر یا غیر جو اثر قبول کریں ان سے مل کر زیادہ سے زیادہ چندہ

لینے کی کوشش کریں تاکہ ہمارا چندہ جلدی جلدی بارہ لاکھ تک پہنچ جائے۔" (الفضل ۱۶ ۱/۵۸)

چہارم :- حضور نے اپنے ایک زبانی ارشاد کے ذریعہ یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ وقفِ جدید سے تعلق رکھنے والے کم ازکم پانچ ہزار ایسے آنریری معلّمین کا سلسلہ بھی قائم کیا جائے جو اپنی اصلاح وارشاد کی مساعی کی باقاعدہ رپورٹ وقفِ جدید کو بھجوائیں اور ضروری امور میں ہدایات حاصل کریں نیز اپنی زندگی میں ایک نمایاں روحانی انقلاب برپا کریں اور سال بھر میں کم ازکم ایک احمدی بنانے کا پختہ عہد کریں اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے نیک عزم اور استقلال کی برکت سے انکی کوششوں کو نوازے گا اور ہر سال ہزاروں اور لاکھوں سعید روحیں انکے ذریعہ ہدایت پائینگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اب اُترنے والی ہے

وقفِ جدید کی جلد کامیابی اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے متعلق حضور احبابِ جماعت کو ایک بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"چند دنوں کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اُترنے والی ہے۔ اب یہ ناممکن بات ہے کہ زیادہ عرصہ تک آسمان اپنی مدد کو روکے رکھے۔ کوئی ۲۵-۲۶ سال تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنوں کی گالیاں سنیں ان سے پتھر کھائے اینٹیں کھائیں لیکن تبلیغ جاری رکھی اس کے بعد قریباً پچاس سال تک یہ کام ہم نے کیا یہ سارا زمانہ مل کر ۷۵ سال کا ہوجاتا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ ایسا تو نہیں کہ پچھتر سال تک ایک قوم کو گالیاں دلوائے ماریں کھلائے پتھر مروائے اور پھر چُپ کرکے بیٹھا رہے اب مَیں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آسمان سے اُترے گی۔۔۔۔۔ ابھی ہمیں صرف اپنے ملک میں پھیلنے کی ضرورت ہے اور اتنی ترقی میں سمجھتا ہوں کہ اسی سال کے اندر اندر ہوجانی چاہیئے اور اس میں اب صرف چند سال باقی ہیں۔" (الفضل ۱۶ ۱/۵۸)

وقفِ جدید کے عملی کام کا آغاز

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے وقفِ جدید کا باقاعدہ اعلان کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے وقفِ جدید کے عملی کام کا آغاز فرما دیا اور ۹ جنوری ۱۹۵۸ء کو حضور نے خاکسار کو انچارج وقفِ جدید مقرر فرماتے ہوئے باقاعدہ دفتر قائم کرنے کی ہدایت فرمائی اور مکرم فضل الرحمٰن صاحب نعیم کو میرے ساتھ بطور کلرک مقرر فرمایا۔ اس طرح ہم نے اسی روز سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست نگرانی میں کام شروع کر دیا۔ کام کو منظم کرنے کے لئے حضور نے مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمائی :-

(۱) مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر (صدر) (۲) مکرم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
(۳) مکرم مولانا ابو العطاء صاحب (۴) مکرم مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب
(۵) مکرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور (۶) مکرم مولانا چوہدری محمد شریف صاحب
(۷) سید عبدالمنیر احمد باہری (سیکرٹری)

۲۱۔جنوری کو یہ انجمن باقاعدہ رجسٹرڈ ہوچکی تھی اور بعد کے حالات نے بتادیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت اپنے بندے کے شاملِ حال رہی اور کس طرح مخلصینِ جماعت نے اپنی جانیں اور اموال اپنے آقا کے حضور لا پیش کئے!

معلّمین کا پہلا قافلہ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ماتحت وقفِ جدید کے مالی حصّہ کو منظم کرنے کے ساتھ ساتھ ہی واقفین کے انٹرویو اور انتخاب کا کام شروع کردیا گیا تھا۔ منتخب شدہ واقفین کی منظوری دیتے ہوئے حضور نے ابتداء میں دس معلّمین کے ذریعہ اصلاح و تعلیم کا کام شروع کرنے کی ہدایت فرمائی جس کی تعمیل میں معلّمین کے لئے ایک تربیتی کلاس کا انعقاد کیا گیا اور بہت جلد ان درویشوں کا ایک گروہ عملی جدّوجہد کے آغاز کے واسطے تیار ہوگیا اور یکم فروری ۱۹۵۸ء کو دُعاؤں کے ساتھ مندرجہ ذیل معلّمین کا پہلا قافلہ سوئے منزل روانہ ہوا:۔

(۱) احسان الٰہی صاحب (۲) محمد یوسف صاحب (۳) رشید احمد صاحب طارق
(۴) رشید احمد صاحب طیّب (۵) منیر احمد صاحب محمود (۶) مبارک احمد صاحب

وقفِ جدید کے خوشکن نتائج

وقفِ جدید کے اجراء کے ٹھیک ایک مہینہ بعد اس قافلہ کی روانگی یقیناً کامیابی کی علامت اور روشن مستقبل کی دلیل تھی۔ چنانچہ ایک سال ابھی تمام نہ ہوا تھا کہ وقفِ جدید کے نوّے مراکز قائم ہوچکے تھے۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۸ء کے موقع پر حضور نے وقفِ جدید کی کامیابی اور اس کے خوشکن نتائج کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:۔

"اِس سال نوّے معلّم وقفِ جدید میں کام کر رہے ہیں اور ستّر ہزار روپیہ کے وعدے جماعت کی طرف سے آئے تھے جو قریباً پورے ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے یہ صیغہ بڑی عمدگی سے اپنا کام کر رہا ہے۔ وقفِ جدید کی معرفت چار سَو بیعت آئی ہے جبکہ ارشاد و اصلاح کی معرفت صرف چوّن افراد سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر جماعت اپنی آمد بڑھائے تو اس کے نتیجہ میں چندہ کی مقدار بھی بڑھ جائے جس سے ہم اپنے کام سہولت سے وسیع کرسکیں گے بلکہ بیماریوں کو دُور کرنے

میں بھی ہم ملک کی مدد کر سکیں گے۔ کیونکہ وقفِ جدید کے معلّم تعلیم کے ساتھ ساتھ علاج معالجہ بھی کرتے ہیں اور اس سے ملک سے بیماریوں کو دُور کرنے میں مدد مل رہی ہے۔"

(الفضل $\frac{1}{59}$ ۲۵)

وقفِ جدید کے سرمایہ میں ایک گرانقدر اضافہ

وقفِ جدید اپنی عمر کے دوسرے سال میں سے گزر رہا تھا کہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت سے محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کو وقفِ جدید میں مقرر فرمادیا اور تعلیم کے شعبہ کی نگرانی ان کے سپرد فرمائی۔ اس دن سے اصلاح و تعلیم کے کام کی علیحدہ نظامت قائم ہوگئی اور محترم صاحبزادہ صاحب نے ناظم تعلیم کی حیثیت سے دل وجان کے ساتھ وقفِ جدید کی کامیابی اور اسکے مقاصد کے حصول کے لئے کوشش فرمائی جس کے نتیجہ میں وقفِ جدید کے استحکام اور ترقی میں مزید اضافہ ہوا۔ چنانچہ دوسرے سال کے اختتام پر حضور نے وقفِ جدید کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

"پچھلے سال جماعت کی طرف سے صرف ستّر ہزار روپے کے وعدے ہوئے تھے اور اس سال بھی اتنے ہی وعدے ہوئے ہیں جن سے صرف نوّے معلّم رکھے جاسکے۔ اس سال پچھلے سال سے زیادہ اچھا کام ہوا ہے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں بھی کام شروع ہوگیا ہے اور وہاں بھی ایک انسپکٹر اور چار معلّم مقرر کئے جاچکے ہیں۔ پچھلے سال ان معلّمین کی تعلیم و تربیت اور خدمتِ خلق کا جذبہ دیکھ کر پانچ سَو نوّے افراد نے بیعت کی تھی۔ اس سال چھ سَو اٹھائیس افراد نے بیعت کی ہے پس میں احبابِ جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اِس تحریک کی اہمیّت کو سمجھیں اور اس کی طرف پوری توجّہ کریں اور اس کو کامیاب بنانے میں پورا زور لگائیں اور کوشش کریں کہ کوئی فردِ جماعت ایسا نہ رہے جو صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے اس چندہ میں حصّہ نہ لے۔"

(الفضل $\frac{2}{60}$ ۱۷)

وقفِ جدید کا تیسرا سال

یکم جنوری ۱۹۶۰ء سے وقفِ جدید کا تیسرا سال شروع ہوا احباب نے اُس سال بھی ستّر ہزار کے وعدے کئے۔ افسوس ہے کہ آمد میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہوسکنے کے باعث معلّمین کی تعداد زیادہ نہ بڑھائی جاسکی تاہم اس وقت ستاون باتنخواہ اور متعدد آنریری معلّم کام کر رہے تھے ہیں معلّمین کی کارکردگی کو زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے

کے لئے لٹریچر اور ادویہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں اصل آمد میں ان کے لئے زیادہ گنجائش نہ ہونے کے پیش نظر ان دو مدات کے لئے علیحدہ طور پر جماعت کے مخیر و مخلص احباب سے اپیل کی گئی۔ چنانچہ ان دو مدات میں اس سال خاصی آمد ہوئی اور کچھ رقم اصل بجٹ میں سے اس کام کے لئے مخصوص کی گئی۔ اسی طرح سال بھر میں ہزاروں مریضوں کو مفت ادویہ مہیا کی گئیں اور مستحق لوگوں کی نقد امداد بھی کی گئی۔ اس کے علاوہ ایسے علاقوں میں جہاں وبائی امراض میں لوگ مبتلا تھے اطبا کی جماعتیں منظم کرکے اپنی بساط کے مطابق مخلوقِ خدا کی خدمت کی کوشش کی گئی۔ اس بے لوث اور انتھک خدمت کا دیکھنے والوں کے دلوں پر خاص اثر ہے۔ اسی طرح اس ساری سرگذشت سے ظاہر ہے کہ جماعت کو وقفِ جدید کے لئے جس قدر قربانی کرنی چاہیئے تھی وہ ابھی نہیں کی گئی اور ہم ابھی اپنے امام کے مطالبہ کا دسواں حصہ پورا کر سکے ہیں اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ضرورت ہے کہ فوری اور خصوصی توجہ کی جاوے۔ اس بارہ میں حضور کے ارشاد پر میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں :-

"پہلے بھی میں آپ لوگوں کو برابر تحریک کرتا رہا ہوں کہ وقفِ جدید کو مضبوط بنانا ضروری ہے لیکن اب تو کام کی وسعت کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالوں میں ترقی دی ہے وہاں آپ کو سلسلہ کی ترقی کے لئے بھی دل کھول کر چندہ دینا چاہیئے تا اللہ تعالیٰ سارے پاکستان اور سارے ہندوستان میں اسلام اور احمدیت کو پھیلا دے اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دے کہ آپ وقت کی آواز کو سنیں اور کانوں میں روئی نہ ڈالے رہیں ...... میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سچا ایمان بخشے اور آپ کو بڑھ چڑھ کر قربانیوں کی توفیق عطا کرے تا ہم میں سے بوڑھے سے بوڑھا شخص بھی اسلام اور احمدیت کی ترقی کو دیکھ سکے۔ اللّٰھم آمین۔ اللّٰھم آمین۔ اللّٰھم آمین۔" (الفضل $\frac{12}{59}$ ۳۱)

خدا کو پانے کا گُر

"یقیناً سمجھو کہ خدا کو پانے کا یہی گُر ہے جو قبل از وقت چوکنا اور بیدار ہوتا ہے ایسا بیدار کہ گویا اس پر بجلی گرنے والی ہے اس پر بجلی ہرگز نہیں گرتی لیکن جو بجلی کو گرتے دیکھ کر چلاتا ہے اس پر گرے گی اور ہلاک کرے گی وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے۔"

(حضرت مسیح موعودؑ)

افریقہ اور یورپ و امریکہ میں ایک نئے انقلاب کے آثار

دنیا میں غلبۂ اسلام کے دن اب قریب آرہے ہیں

بیسویں صدی اس لحاظ سے ہی ایک انقلاب انگیز صدی نہیں ہے کہ اس میں مغربی استعماریت کی صف لپیٹ رہی ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی یہ ایک انقلاب انگیز صدی ہے کہ اس میں مغربی استعماریت کے ساتھ ساتھ دنیا سے عیسائیت کی صف بھی اُلٹی شروع ہوگئی ہے۔ پھر دنیا سے عیسائیت کی صف ہی نہیں لپیٹ رہی بلکہ آسمانی پیشگوئیوں کے عین مطابق اب اس کی بجائے اسلام کے غالب آنے اور پوری دنیا پر محیط ہونے کے آثار دن بدن نمایاں تر ہوتے جا رہے ہیں۔

انیسویں صدی کے اواخر تک مغربی استعماریت اپنے پورے عروج پر تھی ایشیا اور افریقہ کے وسیع علاقوں پر مغرب کی عیسائی اقوام ٹڈی دل کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ اُن کے ہر آن ترقی پذیر غلبہ و استیلاء میں کسی قسم کے ضعف یا اضمحلال کے خفیف سے خفیف آثار بھی نظر نہ آتے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کا یہ غلبہ ہمیشہ ہمیش قائم رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے مٹا نہیں سکتی۔ ان کے اس سیاسی غلبہ کی آڑ میں ان علاقوں میں عیسائیت بھی جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی اور آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ بظاہر یہی نظر آرہا تھا کہ یہ آگ پورے مشرق کو روحانی لحاظ سے خاکستر کئے بغیر نہ رہے گی۔ چنانچہ مغربی طاقتوں کے سیاسی غلبہ و استیلاء میں روز افزوں ترقی کی رفتار کو دیکھ کر عیسائی پادری اور منّاد یہ پیشگوئیاں کر رہے تھے کہ بیسویں صدی شروع ہونے کی دیر ہے کہ عیسائیت ساری دنیا میں غالب آکر جملہ اقوام کو خداوند یسوع مسیح کے آگے جھکنے اور اسے اپنا نجات دہندہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دے گی۔

انیسویں صدی کے اس ہولناک پس منظر میں جب ہم بیسویں صدی کے نصف آخر پر (جس میں سے ہم گزر رہے ہیں) نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ دنیا کا سرے سے نقشہ ہی بدلا ہوا ہے نہ مغربی استعماریت کا وہ عروج نظر آتا ہے اور نہ عیسائیت کا وہ پہلا سا طمطراق۔ مشرق کے محکوم علاقے مغربی

طاقتوں کے غلبہ و استیلاء سے ایک ایک کر کے آزاد ہوتے جا رہے ہیں اور ہو بھی رہے ہیں۔ بغیر کسی جنگ یا توپ و تفنگ کے۔ جس تیزی سے یہ غلبہ ہٹ رہا ہے اسی تیزی کے ساتھ ان نو آزاد علاقوں میں سے عیسائیت کی صف بھی لپیٹ رہی ہے ساری دنیا کو خداوند یسوع مسیح کے نام پر فتح کر ڈالنے کے خواب دیکھنے والے پادری اب نہایت حسرت و یاس کے عالم میں یہ کہہ رہے ہیں کہ آج عیسائیت کو ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے یہ چیلنج اتنا خطرناک ہے کہ اس کی وجہ سے عیسائیت کو خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ چیلنج کیا ہے اور کس کی طرف سے ہے؟ اس کا حال یوں تو یورپ کے عیسائی اخبارات میں آئے دن چھپتا رہتا ہے لیکن انگلستان سے شائع ہونے والے عیسائی ہفت روزہ "انکوائرر" (THE INQUIRER) نے اپنی ایک حالیہ اشاعت میں ایک نئے انداز سے اس کا پھر اعادہ کیا ہے اس میں "عیسائیت کو چیلنج" "THE CHALLENGE TO CHRISTIANITY" کے زیر عنوان مسٹر آرتھر پیکاک کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اس میں وہ رقمطراز ہیں:۔

"سنہ ۱۹۶۰ء اور اس کے بعد کی سمٹتی ہوئی دنیا میں عیسائیت کو غیر عیسائی مذاہب کی طرف سے ایک زبردست چیلنج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ مذاہب ان ممالک میں جو حال ہی میں سیاسی آزادی سے ہمکنار ہوئے ہیں بہت زور آزمائی کا اظہار کر رہے ہیں۔ خود مغربی اقوام ان مذاہب میں جس طرح دلچسپی لے رہی ہیں اور ان کے مطالعہ کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں اس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ افریقہ میں اسلام آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے یورپ اور امریکہ میں مشرق کی مذہبی تحریکات مثلاً راما کرشنا تحریک، ویدانت مجالس، بدھسٹ حلقے اور اسلام کی طرف منسوب ہونے والی جماعتیں دن بدن پنپ رہی ہیں۔" (دی انکوائرر بابت ۵ ستمبر ۱۹۶۴ء)

"انکوائرر" کا یہ اقتباس اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ عیسائیت کا وہ طمطراق جو بیسویں صدی کے اوائل تک اس کا طرّہ امتیاز تھا نہ صرف مشرق میں بلکہ خود مغرب میں بھی اب ختم ہو چکا ہے دنیا کو فتح کرنے کے خواب تو رہے ایک طرف اب اسے خود اپنے گھر کی فکر پڑی ہوئی ہے کیونکہ "انکوائرر" کے اپنے قول کے مطابق غیر عیسائی مذاہب میں عیسائی کہلانے والے مغربی عوام کی دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے اور وہ ان کے مطالعہ کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آج جماعت احمدیہ کی عظیم الشان منظم تبلیغی جدوجہد کے نتیجہ میں افریقہ ہی نہیں بلکہ یورپ و امریکہ میں اسلام جس شان سے پھیل رہا ہے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے مسٹر پیکاک نے اسلام کے ذکر کے ساتھ دوسرے مشرقی مذاہب کو خواہ مخواہ گھسیٹ مارا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ افریقہ اور یورپ و امریکہ میں صرف اور صرف اسلام ہی ہے جو جماعت احمدیہ کی منظم تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں پھیل رہا ہے۔ اس میں

شک نہیں فی زمانہ مغربی اقوام بدھ مت اور ویدک دھرم میں بھی دلچسپی لے رہی ہیں لیکن یہ دلچسپی صرف علمی نوعیت کی ہے ان مذاہب کی طرف سے نہ وہاں کوئی منظم تبلیغ کی داغ بیل پڑی ہے اور نہ ہی وہاں لوگ دینی مسلک کے طور پر ان مذاہب کو اختیار کر رہے ہیں اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ مسٹر سپلاک نے "انکوائرر" میں جس چیلنج کا ذکر کیا ہے اس سے یہ ظاہر و باہر ہے کہ عیسائیت کا انیسویں صدی والا وہ پہلا سا طمطراق ختم ہو چکا ہے اور اب اسے الٹے لینے کے دینے پڑے ہوئے ہیں۔

یہ صورت حال حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو روز روشن کی طرح دنیا پر آشکار کر رہی ہے اس لئے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں جب کہ مغربی اقوام پورے مشرق پر چھائی ہوئی تھیں اور ان کے اس غلبہ کی وجہ سے سارے مشرق میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک عیسائیت کا طوطی بول رہا تھا آپ نے عیسائیت کے زوال پذیر ہونے اور بالآخر اسلام کے غالب آنے کی پہلے ہی پیشگوئی فرما دی تھی آپ نے اس آنے والے انقلاب کو اپنی صداقت کے حق میں ایک نشان کے طور پر پیش فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔" (اشتہار ۱۴؍جنوری ۱۸۹۷ء)

آج اس انقلاب کو ہم اپنی آنکھوں سے رونما ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ انقلاب رونما ہو رہا ہے اور اس شان سے ہو رہا ہے کہ خود یورپ کے عیسائی پادری اس کے ظاہر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں یہ ابھی اس انقلاب کی ابتداء ہے۔ خدائی وعدوں کے موجب یہ انقلاب اپنے کمال کو پہنچے گا کیونکہ یہ خدائی تقدیر ہے دنیا کی کوئی طاقت اس تقدیر کے بروئے کار آنے کو روک نہیں سکتی۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پہلے ہی خبردار فرما گئے ہیں آپ کا یہ انتباہ لکھ رکھنے اور ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے آپ نے متنبہ فرمایا تھا:۔

"چاہو تو میری بات کو لکھ رکھو کہ اب کے بعد مُردہ پرستی (یعنی عیسائیت) روز بروز کم ہو گی یہاں تک کہ نابود ہو جائے گی کیا انسان خدا کا مقابلہ کرے گا؟ کیا ناچیز قطرہ خدا کے ارادوں کو رد کر دے گا؟ کیا فانی آدم زاد کے منصوبے الٰہی حکموں کو ذلیل کر دیں گے؟ اے سننے والو سنو اور اے سوچنے والو سوچو کہ حق ظاہر

ہوگا اور وہ جو سچا نور ہے وہ چمکے گا۔" (انجام آتھم)

آج دنیا کے حالات اور خود اغیار کی گواہی زبانِ حال سے پکار رہی ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب ایک عیسائیت ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کے مغلوب ہونے اور کل ادیان پر اسلام کے غالب آنے کے متعلق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی یہ بشارت بھی بہ تمام و کمال پوری ہو گی کہ:۔

"اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب (اسلام) اور اس سلسلہ (احمدیہ) میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (تذکرۃ الشہادتین)

موجودہ حالات میں جب کہ غلبۂ اسلام سے متعلق ہم آسمانی پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کے ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والے کامل غلبہ کو قریب سے قریب تر لانے کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دیں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم تحریک جدید میں جس کا مقصد تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی عالمگیر مہم کے ذریعہ اسلام کو ساری دنیا میں غالب کرنا ہے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئیے کہ اس وقت ہماری ذراسی بھی غفلت نہایت خطرناک نتائج پر منتج ہو سکتی ہے وہ مغربی اقوام جو عیسائیت سے مایوس اور بیزار ہو کر تلاشِ حق میں دوسرے مذاہب کے مطالعہ کی طرف مائل ہو رہی ہیں اگر ہماری فرض ناشناسی کی وجہ سے اسلام کی طرف آنے کی بجائے خدانخواستہ دوسرے مذاہب کی طرف بہہ گئیں تو ان کے ایک دلدل سے نکل کر دوسری دلدل میں پھنسنے کے ہم ذمہ دار ہوں گے۔ خدا ہماری اس غفلت پر ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا ۔۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ؕ

خدا تعالےٰ ہمیں وقت کی نزاکت کو سمجھنے اور اس کے مطابق تحریک جدید کے مالی جہاد میں پہلے سے بڑھ کر ہی نہیں بلکہ حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم خدائی وعید کے نہیں بلکہ اس کے بے انداز افضال و انعامات کی بشارتوں کے مورد بنیں۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

بچوں کا صفحہ

ہمارا پیارا مرکز ——— قادیان

اے قادیاں دار الاماں ❊ اونچا رہے تیرا نشاں

قادیان ہمارا مقدس مقام اور احمدیت کا دائمی مرکز ہے۔ یہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہیں آپؑ نے اپنی ساری زندگی گذاری۔ یہیں سے آپؑ نے اشاعتِ اسلام کی زبردست مہم چلائی۔ یہیں بہشتی مقبرہ میں آپؑ مدفون ہوئے۔ وہ مکان جس میں آپؑ رہا کرتے تھے دار المسیح کہلاتا ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں بیت الدعا، مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ اور منارۃ المسیح اور دوسرے شعائر اللہ ہیں۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کے وقت مجبوراً ہمیں قادیان سے ہجرت کرنا پڑی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی "داغِ ہجرت" پوری ہوئی اُس وقت ۳۱۳ مجاہدوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ قادیان کے مقدس مقامات کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وعدہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ وہ لوگ آج تک مشکلات اور خطرات کے باوجود وہاں دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ وہاں وہ مقدس مقامات کی حفاظت بھی کر رہے ہیں اور وہیں سے وہ سارے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ یہ نڈر اور خوش نصیب مجاہد درویش کہلاتے ہیں۔ ان کے امیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل ہیں۔ سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے فرزند محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب بھی ان درویشوں میں شامل ہیں۔ آپ وہاں بیٹھ کر اسلام کی بڑی خدمات بجا لا رہے ہیں۔

اگرچہ قادیان ہمیں مجبوراً چھوڑنا پڑا لیکن یہ ہمارا ایمان ہے کہ ایک نہ ایک دن ہمارا مقدس اور پیارا مرکز ہمیں واپس مل جائے گا۔ وہ خدا جس نے قادیان سے ہجرت کی پہلے سے ہی خبر دے رکھی تھی اُسی کا وعدہ ہے کہ قادیان ہمیں پھر واپس ملے گا۔ اُس نے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تھا کہ:-

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ
الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ

یعنی وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تجھ کو لوگوں کے بار بار لوٹنے کی جگہ لوٹا کر لائے گا۔

اِس الہام کا صاف مطلب یہ ہے کہ احمدیوں کو قادیان واپس ملے گا۔ سو ہم اِس خدائی وعدہ پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام کی صورت میں نازل ہوا پورا یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خدائی وعدہ پورا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مقدس اور پیارے مرکز میں ضرور واپس لے جائے گا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ یہ وعدہ جلد سے جلد پورا ہو اور ہم اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں خوشی اور حمد کے ترانے گاتے ہوئے قادیان جائیں۔ اے اللہ تو ایسا ہی کر۔ آمین +

ہمارا چاند

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے　+　قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا　+　بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں　+　نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اِس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز　+　اگر لُولُوئے عمّاں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیوں کر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

(دُرِّ ثمین)

ضمیمہ نتیجہ امتحان سہ ماہی سوم منعقدہ ۱۱/۱۳ ستمبر ۱۹۶۴ء

اکتوبر ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں امتحان سہ ماہی سوم منعقدہ ۱۱/۱۳ ستمبر ۱۹۶۴ء کا تفصیلی نتیجہ شائع ہوا تھا اُس میں اُن احباب کا نتیجہ شامل نہیں تھا جن کے پرچے تاخیر سے موصول ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسے احباب کا نتیجہ ضمیمہ کے طور پر ذیل میں درج ہے:-

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	درجہ
۱	راولپنڈی	مکرم بشیر احمد صاحب کمرشل کالج	دوم
۲	"	" حکیم محمد جمیل صاحب	"
۳	"	" چوہدری فضل احمد صاحب	"
۴	چک لالہ ضلع راولپنڈی	" چوہدری محمد عبد اللہ خاں صاحب	اوّل
۵	کنری	" غلام مرتضٰے صاحب	دوم
۶	کراچی	" ولی الدین صاحب صدیقی	"
۷	دوالمیال ضلع جہلم	" ملک علی حیدر صاحب	"
۸	"	" منشی مولا بخش صاحب	اوّل
۹	فیکٹری ایریا ربوہ	" سیّد محمد شریف صاحب	دوم
۱۰	"	" ماسٹر ملک سعد اللہ خاں صاحب	اوّل
۱۱	"	" سیّد عبد المنان صاحب	"
۱۲	"	" مرزا محمد یعقوب صاحب	"
۱۳	واہ کینٹ	" مرزا محمد اشرف صاحب	دوم
۱۴	"	" کرامت حسین شاہ صاحب	اوّل
۱۵	"	" شیخ فضل حق صاحب	"
۱۶	"	" قریشی بشیر احمد صاحب دہلوی	"
۱۷	"	" صوبیدار ملک حبیب اللہ خاں صاحب	"

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

جس گھڑی کا وارد ہو جانا یقینی ہے اس کو فراموش مت کرو ہر وقت ایسے رہو کہ گویا تیار ہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''جس دن کا آنا نہایت ضروری اور جس گھڑی کا وارد ہوجانا نہایت یقینی ہے اس کو فراموش مت کرو اور ہر وقت ایسے رہو کہ گویا تیار ہو کیونکہ نہیں معلوم کہ وہ دن اور گھڑی کس وقت آجائے گی۔ سو اپنے وقتوں کی محافظت کرو اور اس سے ڈرتے رہو جس کے تصرف میں سب کچھ ہے۔ جو شخص قبل از بلا ڈرتا ہے اس کو امن دیا جائے گا۔ جو شخص بلا سے پہلے دنیا کی خوشیوں میں مست ہورہا ہے وہ ہمیشہ کے لئے دکھوں میں ڈالا جائے گا۔ جو شخص اس قادر سے ڈرتا ہے وہ اس کے حکموں کی عزت کرتا ہے پس اس کو عزت دی جائے گی۔ جو شخص نہیں ڈرتا اس کو ذلیل کیا جائے گا۔

دنیا بہت ہی تھوڑا وقت ہے۔ بے وقوف وہ شخص ہے جو اس سے دل لگاوے اور نادان ہے وہ آدمی جو اس کے لئے اپنے رب کریم کو ناراض کرے۔ ہوشیار ہوجاؤ تا غیب سے قوت پاؤ۔ دعا بہت کرتے رہو اور عاجزی کو اپنی خصلت بناؤ۔ جو دعا صرف رسم وعادت کے طور پر زبان سے کی جاتی ہے وہ کچھ بھی چیز نہیں۔ جب دعا کرو تو بجز صلوۃ فرض کے یہ دستور رکھو کہ اپنی خلوت میں جاؤ اور اپنی زبان میں نہایت عاجزی کے ساتھ جیسے ایک ادنی سے ادنی بندہ ہوتا ہے خدا تعالی کے حضور میں دعا کرو :-

اے رب العالمین! میں تیرے احسانوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہوجاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو۔ میں تیرے وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما رحم فرما رحم فرما اور دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کیونکہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے آمین ثم آمین۔''

(الحکم ۲۱ فروری ۱۸۹۸ء)

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا۔